اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- تقویٰ کیا ہے؟
- جنّت کے حالات
- مستحب کام اور اُنکی اہمیّت
- سچ اور جھوٹ
- توبہ کی حقیقت و اہمیّت
- صبر اور اسکی حقیقت و اہمیّت
- مُسلم تاجر کی ذمّہ داری
- کام چوری اللہ کا ایک عذاب
- اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلّق
- مغربی دُنیا میں دِینی رُجحان

جلد دوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد دوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد ناظم اشرف
﴿فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی﴾

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
کتاب : اصلاحی تقریریں (جلد دوم)
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف، محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ، لاہور)
باہتمام : محمد ناظم اشرف
کمپوزنگ : پیراگون گرافکس
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	چوک اردو بازار کراچی
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴،
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو "تقریریں" کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں "اصلاحی تقریریں" کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور "جامعہ اشرفیہ لاہور" کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبطِ تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے دو درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان

میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکاڈر سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرونِ ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم کراچی" کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پُراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ایک ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمد للہ "بیت العلوم" کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ

حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب ظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے، اصلاحی تقریریں جلد اول کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ثانی آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں میرے عزیز بھائی مولانا محمد کفیل خان صاحب (فاضل جامعہ اشرفیہ) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتیٰ الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہِ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب ظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

تقویٰ کیا ہے؟

جنت کے حالات

مستحب کام اور ان کی اہمیت

سچ اور جھوٹ

توبہ کی حقیقت اور اہمیت

صبر اور اس کی حقیقت واہمیت

مسلم تاجر کی ذمہ داری

کام چوری اللہ کا عذاب

اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق

مغربی دنیا میں دینی رُجحان

اجمالی فہرست

تقویٰ کیا ہے

موضوع : تقویٰ کیا ہے؟

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط وترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد ناظم اشرف

تقویٰ کیا ہے؟

بعداز خطبہ مسنونہ:

معزز حاضرین اور محترم خواتین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقویٰ کا لفظ اتنا مشہور ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی اس سے واقف ہے اور دین میں تقویٰ کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ تقویٰ کی تاکید میں قرآنی آیات تو بے شمار ہیں ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ تقویٰ کا نمونہ ہے۔ نیز احادیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر نہ دنیا کی نجات ہے اور نہ آخرت کی۔

تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور بچنا یعنی کسی ایسی چیز سے بچنا جس سے

مضرت اور نقصان کا اندیشہ ہو۔ لیکن یہاں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سے، اس کے غضب اور عذاب سے ڈرے اور ہر اس کام سے بچے جس میں اللہ کی ناراضگی ہو اور اس پر عذاب کا اندیشہ ہو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی خلاف ورزی سے بچنا تقویٰ کا حاصل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ڈرنا اور بچنا انسان کی بحیثیت ایک مومن ہونے کے نہایت اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر انسان کے اندر بچنے اور ڈرنے کا مادہ نہیں ہوگا تو وہ آخرت میں جہنم کا مستحق بنے گا اور اس کی دنیا کی زندگی بھی تباہ و برباد ہو جائے گی۔

تقویٰ کے فقدان کی وجہ سے دنیا کی عام حالت

تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی زندگی بھی تقویٰ کے بغیر مزیدار نہیں ہوتی۔ آج ہمارے ملک اور شہر میں جتنا بھی فساد برپا ہے، ناانصافی اور ظلم کا دور دورہ ہے۔ کسی کی جان اور مال محفوظ نہیں، اخبارات ان کی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور ایک لفظ کی گونج تو پورے ملک میں سنائی دے رہی ہے۔ ''کرپشن کرپشن'' اور بلاشبہ اس وقت ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن ہے۔ سرکاری حکام بھی دیانتداری سے اپنی ڈیوٹی اور فرائض صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، سرکاری خزانہ جس کے مالک سارے عوام ہیں اور عوام ہی کے ادا کئے ہوئے ٹیکسوں سے اُسے بھرا جاتا ہے، خیانت کر کے کھا لیا جاتا ہے۔ صرف سرکاری ادارے ہی کرپشن میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ اس میں ایسے بہت سے لوگ بھی مبتلا ہیں جو حاجی اور نمازی ہیں لیکن ان کو اس بات کی خبر تک نہیں کہ ان کی تنخواہ اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اپنی ڈیوٹی کو مکمل وقت تک دیانت داری سے سرانجام نہ دیں۔ یاد رکھیں! ایسی تنخواہ کھانا جس میں ڈیوٹی نہیں

دی گئی حرام خوری کے زمرے میں آتی ہے۔ اسی طریقے سے ایک دوسرے کے حق مار لئے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ نے بس میں سوار ہونے کی خاطر اپنی قوتِ بازو کے بل پر اسے دھکا دیا اور خود بس پر چڑھ گئے، یاد رکھیں! کہ آپ نے یہ بندے کا حق مارا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کا حق اس وقت تک معاف نہیں کرتے جب تک کہ وہ بندہ خود معاف نہ کردے۔ اسی طرح دوائی کے پیسے مریضوں سے پورے وصول کئے جاتے ہیں لیکن دوائی معیاری نہیں ہوتی بلکہ دو نمبر ہوتی ہے۔ یاد رکھیں! یہ سراسر دھوکہ ہے اور اس مال کا کھانا حرام ہے۔ ان تمام باتوں کی جڑ تقویٰ کا فقدان ہی ہے۔ خدا کا خوف اور فکرِ آخرت دلوں میں نہیں رہی، گناہوں سے بچنے کی عادت ختم ہوگئی، زبان سے نکلنے والے الفاظ کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، حالانکہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تمام باتیں اللہ جل شانہ ریکارڈ فرمارہے ہیں اور آخرت میں سنادی جائیں گی، جن میں سے ہر ہر لفظ پر گرفت کا اندیشہ ہے لیکن اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ مساجد میں تقریروں کے دوران ناجائز غیبتیں ہورہی ہیں۔ ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جارہی ہیں اور اشتعال انگیزی اپنے زوروں پر ہے۔ مسلمانوں کو فرقوں میں بانٹ کر ان کی طاقت کو پارہ پارہ کیا جارہا ہے۔ یہ تمام باتیں اسی وجہ سے ہے کہ خدا کا خوف دل میں نہیں ہے۔ اگر خدا کا خوف دل میں ہو تو ہمارا ملک ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہونے لگے اور تاجروں، سرکاری دفاتر وغیرہ میں رشوت نہ ہو۔ اگر ہم تقویٰ اختیار کرلیں تو ہماری تجارت پھیل کر کہیں سے کہیں پہنچ جائے اس لئے کہ ہمارے پاس لوگ کی ذہانت کی کمی نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دھوکے بازوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے ممالک کے لوگ ہم سے تجارت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ غرض اگر تقویٰ نہ ہو تو دنیا میں جنگل کا قانون نافذ ہوجائے۔

تقویٰ کی ضرورت واہمیت

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم تقویٰ کی تاکید سے بھرا پڑا ہے اور اسلامی تعلیمات کا لُبّ لباب تقویٰ ہے۔ جب ہم لا الہ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کہہ چکے تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے تو اسی کی اطاعت واجب ہے اور اطاعت ہی کا نام تقویٰ ہے۔ اس کے باوجود آج کل کے میڈیا، ٹی وی، ریڈیو، اخبارات اور رسائل فحش تصاویر اور ناجائز مضامین سے بھرے پڑے ہیں اور تقویٰ کی باتوں سے خالی ہیں۔

تقویٰ کا حق

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

﴿یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾

(سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''

آج کل ہم حکومت سے، پولیس سے، دشمن سے، بیماری سے، ناگہانی حادثات اور مخالف کی فوج سے تو ڈرتے ہیں لیکن کیا کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو آپ کی تقدیر بنا سکے یا بگاڑ سکے؟ لہٰذا جس ذات کے قبضہ قدرت میں کائنات کی ہر چیز ہے اس کا حق یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ڈر اور خوف اسی کا ہو۔ کیونکہ موت وزیست، خوشیاں اور مصائب، آسائشیں اور عذاب، عزت وذلت، حاکمیت ومحکومیت، رزق کی فراخی اور تنگی، صحت وبیماری سب چیزیں اسی کے قبضے میں ہیں، لہٰذا اسی سے ڈرنا بھی چاہیے۔

اللہ کے مخلص بندے اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کی رضا حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور دنیا کی ساری طاقتیں ان کی نظروں میں ہیچ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر ایک ایسا دور گذرا ہے جب مسلمانوں کی حکومت صرف زمین اور انسانوں کے دلوں ہی پر نہیں بلکہ ہواؤں اور موسموں پر بھی تھی۔ دنیا کے سارے وسائل ان کے تابع فرمان نظر آتے تھے۔ یہ ساری برکات تقویٰ ہی کی تھیں۔

تقویٰ کا حاصل

ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (سورۃ التغابن آیت نمبر ۱۶)

''جتنا تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ سے جتنا ڈرنا چاہیے اتنا تم نہیں ڈر سکتے اس لئے کہ ڈرنا اس بات پر موقوف ہے کہ ہمیں اللہ کی قدرت کی معرفت حاصل ہو، اگرچہ ہمیں اجمالی طور پر اللہ کی قدرت کا علم حاصل ہے لیکن تفصیل کبھی تو یاد نہیں رہتی اور کبھی معلوم ہی نہیں ہوتی، اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ جتنا تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو، اور ڈرنے کا حاصل گناہوں سے بچنا ہے۔

سیدھی بات کرنی چاہیے

نیز ایک اور مقام پر اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۷۰)

''اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔''

یعنی بعض لوگ سیاسی لوگوں کی طرح سچ تو بولتے ہیں لیکن سیدھی بات کرنے کے بجائے ایسی پیچدار بات کرتے ہیں کہ جس طرف چاہیں اس بات کو گھما کر اُس کا مطلب بیان کردیں۔

ایک جعلی پیر کا واقعہ

جیسے ایک جعلی پیر صاحب جن سے بے چارے جاہل لوگ اولاد کے بارے میں یہ پوچھنے آتے تھے کہ ہمارے ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ انہوں نے ایک بڑا زبردست گر سیکھا ہوا تھا جس کی بدولت وہ اپنا کام چلاتے تھے، اور گر یہ تھا کہ جو کوئی ان سے پوچھنے آتا وہ کہہ دیتے'' لڑکا نہ لڑکی''۔ اب اگر کسی کے لڑکا ہوتا تو وہ کہہ دیتے کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، لڑکا، نہ لڑکی۔ اور اگر لڑکی ہوتی تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا، لڑکا نہ، لڑکی۔ اور اگر کسی کے کچھ بھی پیدا نہ ہوتا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا، لڑکا نہ لڑکی۔ یاد رکھیں! یہ قول سدید کے خلاف ہے۔ قول سدید کے معنی یہ ہیں کہ بات ایسی سیدھی اور سچی ہو کہ دوسروں کو تمہاری مراد سمجھنے میں آسانی ہو، بات پیچدار اور مبہم نہ ہو جھوٹی نہ ہو۔

ضرورت کے مواقع پر قول سدید کا حکم

ہاں اگر دشمن سے پیچدار بات کرنی پڑ جائے تو ضرورت کے تحت جائز ہے۔ آج کل اس کو'' سفارتی زبان'' کہا جاتا ہے یعنی سفارت کاروں کو ایسے الفاظ کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے جو نرم سے نرم ہوں، اور موقع کی مناسبت سے اس میں تاویل بھی کی جاسکے، اور جس طرح جنگ کے موقعہ پر مخالف کو دھوکہ دینا جائز ہے۔ مثلاً تلوار کا وار اس کے پاؤں پر کرنا چاہتے ہیں لیکن دھوکہ دینے کیلئے اس کے سر کی طرف لے جاتے ہیں۔ جس سے وہ سر بچانے کی

طرف متوجہ ہو جاتا ہے مگر آپ موقع پا کر اس کی ٹانگوں پر وار کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر گفتگو میں چالباز دشمن سے مقابلہ ہو تو ایسی بات کرنے کی اجازت ہے کہ وہ جھوٹی تو نہ ہو، لیکن سننے والا اس سے کچھ اور مطلب سمجھے اور آپ کا مطلب کچھ اور ہو۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو "توریہ" کہتے ہیں، شدید ضرورت کے مواقع پر کسی بڑی مضرت سے بچنے اور دوسرے کے ظلم سے بچنے کیلئے ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے حسب منشاء تاویل کی جا سکے، شریعت میں اس کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن عام حالات میں سیدھی سچی بات کرنی لازم ہے کیونکہ اگر روز مرہ زندگی میں دھوکہ چلنے لگے تو زندگی کا چین اور سکون ختم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آیت مذکورہ ان تین آیات میں سے ہے جو عقد نکاح کی وقت پڑھی جاتی ہیں کیونکہ ازدواجی تعلق اور گھریلو زندگی کی بہتری کا مدار اس بات پر ہے کہ میاں بیوی کی گفتگو آپس میں بالکل سیدھی اور سچی ہو ورنہ ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور دونوں کو، بلکہ سب اہل خانہ کو پریشانی اٹھانی پڑے گی۔

تقویٰ اختیار کر کے دیکھو

یہاں ایک اہم بات کی طرف بھی متوجہ کرتا چلوں کہ جو شخص روز مرہ کی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے مثلاً کوئی تاجر ہے جو اپنا کاروبار تقویٰ کے ساتھ چلاتا ہے ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، جھوٹ نہیں بولتا، گاہک کو دھوکہ نہیں دیتا، سامان میں کوئی عیب ہے تو اسے گاہک سے چھپاتا نہیں، بلکہ ظاہر کر دیتا ہے۔ تو بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ جب وہ ان پابندیوں کیساتھ تجارت کرے گا تو اس کا کاروبار نہیں چلے گا اور جو شخص ان کی پابندی نہیں کرے گا وہ دھوکہ بازی سے اپنا فائدہ حاصل کرتا رہے گا۔ لیکن ہمیں قرآن حکیم اس سے ایک مختلف بات کی

طرف سے متوجہ کرتا ہے۔

﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجعَلُ لَهُ مَخرَجًا وَّ يَرزُقهُ مِنْ حَيثُ لَا يَحتَسِبُ﴾ (سورۃ الطلاق آیت نمبر۲۔۳)

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے خلاصی کا راستہ نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔''

یعنی جو شخص گناہ سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے خلاصی کا راستہ نکال دیتے ہیں مثلاً آپ سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر گناہ کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو اس موقع پر اس گناہ سے بچ کر دیکھئے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے بچنے کا راستہ نکال دیں گے۔

بہت سے لوگ بینک میں ملازمت کرتے ہیں جس میں سودی معاملات کی گواہی یا سود کا حساب کتاب یا معاہدہ لکھنا پڑھنا ہوتا ہے۔ مگر صحیح مسلم کی روایت ہے، اور حدیث صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے کھلانے والے، سود کے معاملات لکھنے والے، اورسود کے معاملے میں گواہ بننے والے، پرلعنت فرمائی ہے چنانچہ یہ کام بھی حرام ہے اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ اب اگر بینک میں ملازم کوئی شخص اس حرام سے بچنے کے لئے ملازمت چھوڑنا چاہتا ہے لیکن ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ ملازمت چھوڑی تو مجھے فاقے کرنے پڑجائیں گے، تو ایسے شخص کو علمائے دین کی طرف سے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس ملازمت کو چھوڑنے کا پختہ عزم تو فوراً کرلے، اور حلال روزی گار کی تلاش میں پوری کوشش کرے، جیسے ہی کوئی بقدر ضرورت روزگار مل جائے، بنک کی ملازمت کو چھوڑ دے، بار بار کا تجربہ شاہد ہے کہ اگر وہ حلال

کمائی کی واقعی دل سے پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ناکام نہیں کرتے اور حرام آمدنی سے بچنے کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر جو شخص بھی عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرمائیں گے اور ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہیں گیا تھا۔

تقویٰ مصائب کا علاج ہے

اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ بولے بغیر رشوت لئے بغیر کاروبار نہیں ہوسکتا یا بینک کی ملازمت نہ کرنے کی صورت میں فاقہ کشی کی نوبت آجائے گی تو یاد رکھیں! کہ یہ شیطان کا دھوکہ اور نفس کا فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کہ ساری چیزیں قبضے میں تو میرے ہیں۔ اس لئے تم تقویٰ اختیار کرکے دیکھو اور ہمت کرکے حلال کمائی کی کوشش میں لگ جاؤ۔ میں تمہیں رزق ایسے راستوں سے دوں گا جن کا تمہیں پہلے گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

حاصل یہ کہ تقویٰ مصائب کا علاج ہے، گو تقویٰ کی آزمائش کیلئے کبھی کبھی کچھ مشکلات بھی آئیں گی لیکن بالآخر تقویٰ اختیار کئے رہنے پر کامیابی تمہاری ہی ہوگی اور اس کے نتائج دنیا میں بھی دکھا دیئے جائیں گے۔

تقویٰ پر جمے رہنے کی برکت

ایک صاحب کا اصلاحی تعلق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور اب بھی وہ پانچوں وقت کی نماز یہیں (دارالعلوم کراچی) میں پڑھتے ہیں۔ اس وقت یہ نوجوان تھے اور نیوی میں ملازم تھے۔ اگرچہ فوج میں اب تو داڑھی رکھنے کی اجازت ہوگئی ہے لیکن ان کے وقت میں اجازت نہ تھی۔ ان کا پرانا افسرتو ان کا خیال رکھتا تھا لیکن نئے افسر کے آنے پر جب یہ پریڈ میں کھڑے ہوئے تو اس نے کہا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ داڑھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس نے کہا کہ کل اس کو منڈوا کر آنا۔ یہ بیچارے خاموش ہوکر رہ گئے اور اگلے دن بھی اسی حالت میں چلے گئے، اسی افسر نے کہا کہ میں نے تمہیں کہا بھی تھا لیکن تم نے کہنے کے باوجود ڈاڑھی کیوں نہیں منڈوائی؟ اب کل اس کو منڈوا کر آنا۔ وہ صاحب پریشان ہوکر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بتاؤ! کیا تمہیں اللہ پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر ملازمت چھوٹ جائے تو کچھ دن تنگی برداشت کرلو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! مجھ میں اور میرے گھر والوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنی ہمت ہے اتنا یقین ہے۔ اس پر حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ پھر ڈاڑھی مت منڈواؤ، اللہ کی طرف سے انشاء اللہ نصرت ہوگی۔ چنانچہ اگلے دن وہ پھر ڈیوٹی پر گئے، وہ افسر ان کو اسی حالت پر دیکھ کر آگ بگولہ ہوکر کہنے لگا کہ اگر کل ڈاڑھی منڈوا کر نہ آئے تو میں تمہیں نکال دوں گا۔ یہ بیچارے پریشان ہوکر پھر حضرت والد صاحبؒ کے پاس آئے اور سارا ماجرا پھر سنایا۔ حضرت والد صاحبؒ نے

فرمایا گھبراؤ مت! قرآن کا وعدہ ہے۔

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجًا﴾ (الطلاق:۲)

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ) اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے''۔

چنانچہ اگلی صبح اسی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب وہ گئے تو معلوم ہوا کہ اس افسر کا تبادلہ ہوگیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی عطاء فرمائی اور وہ ملازمت پوری کرنے کے بعد اب بہت خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔

پختہ عزم کی راہ میں مجبوری حائل نہیں ہوسکتی

یاد رکھیں! انسان اگر اللہ تعالیٰ کے مکمل بھروسے پر پختہ عزم کرلے تو مجبوری اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے واقعہ کو دیکھ لیجئے کہ زلیخا نے تالوں میں بند کرکے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی اب غور کیجئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے اختیار تھے اور زلیخا اس محل کی مالکہ تھی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اور عزم پختہ تھا کہ چاہے کچھ ہوجائے، اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ تو باوجود یہ کہ انہیں دروازے پر تالا لگا ہوا ہونے کا علم تھا، وہ وہاں سے بھاگے کیونکہ ان کی قدرت میں اس وقت اتنا ہی تھا۔ اللہ پر بھروسہ کرکے انہوں نے اس قدرت کو استعمال کرلیا، آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا وہ جونہی دروازے کے قریب پہنچے، تالا خود بخود ٹوٹ کر گر پڑا اور دروازہ کھل گیا۔ اسی طریقے سے سارے تالے ٹوٹتے رہے اور دروازے کھلتے رہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام بھاگ کر نکل آئے۔

معلوم ہوا کہ انسان جب کسی گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے اورمقدور بھر کوشش بھی کرتا ہے تو اس کیلئے راستے کھلتے جاتے ہیں اور جو شخص اسے مشکل یا مجبوری سمجھ کرٹالتا رہے وہ گناہ کی زندگی گذارتا رہتا ہے۔اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ہائی وے پر جارہا ہے اوراس کے دونوں طرف اونچے اونچے درختوں کی قطاریں دورتک چلی گئی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایسی جگہوں پرایسا محسوس ہوتا ہے کہ درختوں کی قطاریں آگے جاکرمل گئی ہیں اور سڑک بند ہوگئی ہے۔ اگرکوئی شخص صرف یہی دیکھ کر مایوس ہوجائے اور رک کر بیٹھ جائے تو وہ کم ہمت اور بیوقوف شخص منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکتا، اور جو شخص چلتا رہے گا اس کیلئے راستہ کھلتا رہے گا اورمعلوم ہوجائے گا کہ راستہ کھلا ہوا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ رشوت لیے بغیرکوئی چارہ کارنہیں اور پوری دنیا میں جوسودی کاروبار پھیلا ہوا ہے اس کے بغیر کاروبار چل ہی نہیں سکے گا، یہ نفس اور شیطان کا دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ سب کواس دھوکے سے بچائے۔

اسی ملک پاکستان میں لاکھوں اور کروڑوں انسان ایسے ہیں جو نہ رشوت لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں، سود لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں بلکہ سودی کاروبار کے قریب تک نہیں جاتے اوراس کے باوجودعزت کی زندگی گذار رہے ہیں۔تو جولوگ رشوت اورسود کے بغیر کاروبارکو ناممکن جانتے ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اُن لاکھوں اورکروڑوں مسلمانوں کا کاروبار کیسے چل رہا ہے؟

متقی انسان کی زندگی قابل رشک ہوتی ہے

ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ میرے سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ جوشخص گناہ پر

پوری طرح قادر ہونے کے باوجود محض اللہ کے ڈر سے اس گناہ کو چھوڑ دے تو ایسے شخص کی زندگی دنیا میں ایسی خوشیوں سے پر ہوتی ہے جسے دیکھ کر بے شمار انسان رشک کرتے ہیں۔ اور تقویٰ کا اعلیٰ درجہ بھی یہی ہے کہ انسان محض اللہ کے خوف سے گناہ کو ترک کردے کیونکہ بندوں کے خوف سے تو بہت سے لوگ گناہ چھوڑ دیتے ہیں اگرچہ اس کی وجہ سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن اعلیٰ درجہ وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہوں سے بچا جائے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا تقویٰ عطاء فرمائے۔ آمین)

سب سے زیادہ معزّز متقی ہے

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت انسان کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگوں میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو وہ سب سے زیادہ کریم اور باعزت انسان ہے چنانچہ قرآن حکیم میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔

﴿يَـآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾

(سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

”اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبائل میں تقسیم کردیا تاکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ تعارف کراسکو (لیکن عزت کا مدار اس بات پر نہیں ہے بلکہ) تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی

ہے۔''

یعنی عزت کا مدار حسب ونسب پر نہیں بلکہ عزت کا مدار تقویٰ پر ہے خواہ اس تقویٰ کو اختیار کرنے والا بہت ہی نیچے کے نسب کا ہو، اور جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، نافرمانی کرتا ہے، وہ خواہ کتنے ہی اونچے نسب کا ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز نہیں بلکہ ذلت اور عذاب کا مستحق ہے۔ دیکھئے! حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا ایمان نہیں لایا، اُسے پانی میں غرق کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک عالی نسب ہونا یا نہ ہونا باعث عزت وذلت نہیں ہے۔ یاد رکھیں! عزت واکرام غیر اختیاری چیزوں پر نہیں ہوتا مثلاً کسی نبی کا یا عالم کا یا پیر اور مالدار کا بیٹا ہونا، بلکہ عزت واکرام اختیاری چیزوں پر ہوتا ہے جیسے نیکی اور تقویٰ کہ یہ ایک اختیاری چیز ہے۔

کم درجے کے نسب پر طعنہ دینا حرام ہے

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم دیوبند سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت میری عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ دیوبند میں رہتے ہوئے میں نے دارالعلوم دیوبند میں پندرہ پارے حفظ کئے تھے۔ حفظ کی تکمیل پاکستان آ کر ہوئی۔ وہاں دارالعلوم دیوبند کے درجہ حفظ میں ایک بے چارے جولاہے کا لڑکا جو مجھ سے عمر میں بڑا تھا، وہ بھی پڑھتا تھا اور ہمارے بڑے بھائی جناب محمد رضی صاحب مرحوم کا بڑا نیک اور پنج وقتہ نمازی ساتھی تھا، پڑھنے میں بہت محنتی اور ذہین تھا اور قرآن شریف بہت اچھا پڑھتا تھا، لیکن لڑکے نادانی کی وجہ سے اس کو جولاہے کا بیٹا ہونے پر چھیڑتے تھے۔ جس سے وہ بیچارہ افسردہ سا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ تنہائی میں بھائی صاحب مرحوم سے کہنے لگا کہ مجھے آپ سے ایک

بات پوچھنی ہے میں اتنی محنت کر کے ہر امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا ہوں اس کے باوجود میرے ساتھی مجھے حقیر سمجھتے ہیں۔ جس کا مجھے بہت غم رہتا ہے۔کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ میں جولاہا نہ رہوں؟

آج بھی جب مجھے اُس کی یہ بات یاد آتی ہے تو دل بہت دکھتا ہے، اول تو جولاہوں کا پیشہ (کپڑا بننا) کوئی عیب کی بات ہی نہیں، بلکہ حلال کمائی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی قابل عزت پیشہ ہے، اس پر طعنہ دینا کیسے جائز ہوگا؟ پھر جولاہے کا بیٹا ہونے میں بیٹے کا کیا قصور ہے کہ اُس پر طعنہ زنی کی جائے اور ایک باعزت نیک آدمی کا دل دکھایا جائے۔

وہ بے چارہ اس بات کی تمنا اس لئے کرتا تھا کہ لوگوں کا اس کے ساتھ غیر اسلامی رویہ تھا۔ یاد رکھیں! کسی آدمی کو اس کے نسب کی وجہ سے طعنہ دینا اسلامی طریقے کے خلاف ہے،ظلم ہے، گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے۔کیونکہ نسب کا اعلیٰ یا ادنیٰ ہونا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہاں عقائد یا اعمال کا اچھا یا برا ہونا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اسی وجہ سے ثواب اور عذاب اور ذلت وعزت کا مدار نسب پر نہیں بلکہ عقائد اور اعمال واخلاق پر ہے۔

دنیا ایک امتحان گاہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الدُنيا حُلُوَةٌ خَضِرَةٌ وَان اللّٰه تعالٰى مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُر كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتقُوُاالدُّنيَا وَاتَّقُوا النِّسآء فَإِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِيَ اسْرَآئِيلَ كَانَ فِي النِّسآء﴾

(رواہ مسلم حدیث نمبر۲۷۴۲)

"بے شک دنیا ایک سبز میٹھے (پھل) کی طرح خوبصورت لذیذ اور جلد خراب وفنا ہوجانے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ (پچھلی قوموں کی جگہ) اب تم کو اس (دنیا) میں خلیفہ بنارہا ہے، اب وہ یہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو، پس تم دنیا (کے فتنوں) سے بچو۔ اور عورتوں (کے بارے میں غلط روش) سے اجتناب کرو۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں کے بارے میں ہوئی تھی۔"

یعنی جس طرح تازہ میٹھا پھل خوبصورت اور لذیذ ہوتا ہے۔ اسی طرح دنیا بھی خوبصورت اور مزے دار ہے۔ ایک سے بڑھ کر حسین مناظر اللہ نے اس زمین میں پیدا فرمائے ہیں۔ انتہائی حسین وجمیل پھول، پودے، خوبصورت پرندے اور پانی اور خشکی کے لا تعداد جانور ایک سے ایک حسین بنائے۔ اور خود انسانوں میں کتنے کتنے خوبصورت مرد وعورت پیدا فرمائے۔ اور دل لبھانے والے ننھے ننھے حسین وجمیل بچے عطا کئے۔ اسی طرح کھانے پینے کی بے شمار انتہائی لذیذ چیزیں اس دنیا میں پیدا فرمائیں۔ یہ دنیا اور یہاں کی سب چیزیں انسانوں کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ خوبصورت بھی ہیں، اور لذیذ بھی اس لئے پرکشش ہیں۔ انسان کا دل ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ تو دنیا کی ایک صفت تو تازہ میٹھے پھل کی طرح یہ ہے کہ وہ خوبصورت اور لذیذ ہے، اور دوسری صفت اس دنیا میں یہ ہے کہ یہ تازہ میٹھے پھل کی طرح ناپائدار بھی ہے۔ جس طرح تازہ میٹھا پھل جلد خراب ہوکر فنا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز بھی فنا ہوجانے والی ہے۔ یہاں کی کسی چیز کو قرار نہیں، یہاں کی ہر چیز فنا ہوکر رہے گی، خود تم بھی فانی ہو، وقت مقرر پر موت آکر تمہیں بھی دبوچ لے گی۔

تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دو صفتیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ خوبصورت اور لذیذ ہے اور پرکشش ہے، اور دوسری یہ کہ یہ فانی اور ناپائیدار ہے۔ بس انہیں دو صفتوں کے ذریعہ دنیا میں تمہاری آزمائش رکھی گئی ہے۔

وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو پیدا کرکے اُسے بے سہارا اور بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اپنے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعہ دنیا میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ بھی بتلایا، اور یہ بھی بتلا دیا کہ دنیا میں جو ایک سے ایک حسین ولذیذ چیزیں ہم نے پیدا کی ہیں۔ان کے استعمال میں تم بالکل آزاد نہیں ہو بلکہ اطاعت وفرماں برداری میں تمہارا امتحان لینے کے لئے ان میں سے کچھ چیزوں کو ہم نے تم پر حرام کردیا ہے۔ اور کچھ چیزوں کے استعمال کی کچھ حدود وقیود مقرر کردی ہیں کہ اُن حدود میں رہتے ہوئے استعمال کرو، اُن حدود سے باہر نہ نکلو، کچھ چیزوں کے استعمال کیلئے خاص خاص طریقے مقرر کردیئے ہیں کہ اُن طریقوں سے استعمال کرو ان طریقوں کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ اسی میں تمہارا امتحان ہے کہ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں کے بارے میں تم ہماری کتنی اطاعت کرتے ہو۔

اسی طرح اس میں بھی تمہارا امتحان ہے کہ تم اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ کر اوراسے غیرفانی اور ہمیشہ باقی رہنے والی سمجھ کر اس پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جاؤ، اور موت ، قبر اور آخرت سے غافل ہوکر دنیا ہی کے غلام ہوکر نہ رہ جاؤ مثلاً گائے کا گوشت کھانا چاہتے ہیں تو شریعت کے مطابق ذبح کرنے پر وہ جانور حلال ہوگا۔شریعت کے خلاف کاٹنے سے وہ حرام ہوجائے گا۔

حدیث کے اس جزو کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ دنیا انسان ہی کیلئے تو پیدا کی گئی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا

میں رہتے ہوئے اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور شکر ہی کا اہم جزو یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کو نافرمانی کے کاموں میں استعمال نہ کرے۔ اسی طرح مرد وعورت کے جنسی تعلقات ایک فطری عمل ہیں لہٰذا اگر شریعت کے مطابق نکاح کیا جائے تو دنیا کی یہ لذت تمہارے لئے حلال ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں کے حسن وجمال اور لذتوں میں تمہاری آزمائش ہے، ان لذتوں کو شریعت کی حدود میں رہ کر استعمال کرو گے تو کامیاب رہو گے۔

چنانچہ حدیث کا اگلا جملہ ہے۔

﴿وان الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون﴾

اور اللہ تعالیٰ (پچھلی قوموں کی جگہ) اب تم کو اس (دنیا) میں خلیفہ بنا رہا ہے۔ اب وہ یہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔

اللہ نے اسی دنیا کا انتظام سنبھالنے کیلئے انسان کو خلیفہ بنایا اور عقل وشعور، فہم اور سمجھ عطاء کی زمین میں پائے جانے والے خزانوں اور توانائیوں پر تمہیں دسترس دے دی، اب تمہارا کام ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے، محنت سے اور سائنس اور ٹیکنالوجی سے کام لیکر ان خزانوں اور توانائیوں کو انسانیت کی بھلائی کیلئے شرعی حدود میں استعمال کرے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

دنیا سے بچنے کا کیا مطلب ہے؟

اس حدیث کا ایک جملہ ''فاتقوا الدنيا '' ہے کہ تم دنیا سے بچو۔ سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمیں دنیا میں پیدا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔تو پھر اسی دنیا سے بچنا کیسے ممکن ہے؟ہم دنیا سے تو نکل ہی نہیں سکتے جہاں بھی جائیں گے دنیا ہی دنیا ہے پھر دنیا سے بچنے کا کیا مطلب ہے؟

یاد رکھیں! دنیا سے بچنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ عیسائی مذہب کی طرح ''رھبانیت'' اختیار کر کے دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کشی کر لی جائے۔قرآن وسنت کی ہدایات، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بتاتی ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔بلکہ اس کا مطلب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کی روشنی میں یہ بیان فرمایا ہے کہ

''جہاں کہیں قرآن شریف یا حدیث پاک میں دنیا کی مذمت آئی ہے اور کہا گیا کہ دنیا سے بچو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ گناہوں اور ان کے اسباب سے اجتناب کرو۔''

یعنی ساری دنیا سے بچنا مراد نہیں بلکہ نافرمانی کے کاموں سے بچنا مراد ہے۔اگر انسان نافرمانی کے کاموں سے بچ جائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شرعی حدود میں استعمال کرے تو پھر یہ دنیا دنیا نہیں رہتی بلکہ دین بن جاتی ہے۔

دنیا کی محبت دل میں نہ آئے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دنیا کی محبت کو دل میں حد سے نہ بڑھنے دیں! کیونکہ اگر دنیا کی اس قدر محبت پیدا ہوجائے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں خلل انداز ہونے لگے تو یہ ہلاکت وتباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔

غرض ! دنیا کی نعمتیں بھی اللہ کا انعام ہیں، ان پر شکر کرنا چاہیے اسی طرح مالدار ہونا بھی ایک نعمت ہے۔ اس پر بھی شکر واجب ہے، اور شکر کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ نہ کیا جائے۔ اور تقویٰ کا حاصل بھی یہی ہے، جب بندہ تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مال ودولت کو استعمال کرتا ہے تو یہی مالداری اس کی دینی ترقی کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ اس کی دنیا دنیا نہیں رہتی بلکہ دین بن جاتی ہے۔ آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کتنے مالدار تھے؟ کیا اُن کی مالداری نے انہیں کوئی دینی نقصان پہنچایا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ مالداری ان کی دینی ترقی کا ذریعہ بن گئی۔ معلوم ہوا کہ مال داری اور دینداری میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ہر مالدار دنیا دار نہیں ہوتا

ایک عالم دین نے ایک بزرگ کی شہرت سن کر تزکیہ اخلاق وباطن کی غرض سے لمبا سفر طے کر کے ان کی خدمت میں حاضری دی اور بیعت کر کے ان کی خدمت میں رہنے لگے یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ بزرگ تو بڑے مالدار ہیں اور ان کی بڑی شان وشوکت ہے اعلیٰ درجہ کا محل نما مکان ہے۔ کتنے ہی خادم اور غلام ہیں۔ طرح طرح کا سامان راحت وآرام ہے۔ اور بہت بڑا تجارتی کاروبار ہے، تو ان کو خیال ہوا کہ میں غلط جگہ آ گیا ہوں کیونکہ جس شخص کے پاس یہ چیزیں ہوتی ہیں وہ تو دنیا دار ہوتا ہے، اس کے پاس دین کہاں سے ملے گا؟ یہ شام تک اس کشمکش میں رہے، جب شام کو وہ بزرگ گھومنے کیلئے گئے تو یہ بھی ساتھ تھے اور اتفاق سے ان کے علاوہ کوئی اور ساتھ نہیں تھا۔ جنگل میں

پہنچے تو انہیں ایک بات پوچھنے کا خیال آیا کہنے لگے کہ حضرت! حج پر جانے کی بڑی تمنا ہے آپ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حج کی توفیق عطا فرما دے۔ ان بزرگ نے پوچھا کیا تمہیں حج پر جانے کا واقعی شوق ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! تین دفعہ اسی طرح سوال وجواب دہرانے کے بعد وہ بزرگ ایک سمت کو چل پڑے، کچھ دیر تک یہ بھی چلتے رہے، کافی دور نکل آئے۔ جب بہت دیر تک اسی طرح ایک سمت پر مسلسل چلتے رہے اور آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوگیا تو انہوں نے گھبرا کر شیخ سے پوچھا حضرت! کہاں جارہے ہیں؟ شیخ نے فرمایا حج کو جارہے ہیں! انہوں نے حیرت سے پوچھا یہیں سے اسی وقت جارہے ہیں؟ شیخ نے فرمایا! یہیں سے جارہے ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت! میری چادر رہائش گاہ پر رہ گئی ہے کم ازکم وہی لینے کی اجازت دے دیجئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ تمہاری تو صرف چادر رہ گئی ہے میرا تو سارا کاروبار اور جائیداد وہاں رہ گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ دنیا چادر تھی وہ مخل دنیا نہ تھا کیونکہ وہ دل سے باہر تھا۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کی جس چیز کی محبت دل میں اتنی گھس جائے کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل کردے، اور اللہ ورسول کی اطاعت میں خلل انداز ہونے لگے۔ وہ دنیا ہے، اور دل میں ایسی گھسی ہوئی نہ ہو، وہ دنیا نہیں۔ کشتی کا مدار پانی پر ہوتا ہے کہ پانی کے بغیر کشتی بیکار ہے لیکن اگر کشتی کے اندر پانی آجائے تو کشتی ڈوب جائے گی۔ اسی بات کو ایک شاعر نے اس طرح کہا ہے کہ

رفتم بسوئے دریا دیدم عجب تماشہ　　　دریا درون کشتی، کشتی دروان دریا

''میں دریا کی طرف گیا تو وہاں ایک عجیب تماشہ دیکھا کہ
دریا کشتی کے اندر تھا اور کشتی دریا کے اندر تھی۔''

بالکل اسی طرح اگر دنیا کی محبت دل میں حد سے زیادہ گھس گئی تو وہ

تباہی کا سامان ہے۔ دنیا کی بھی بربادی ہے اور آخرت کی بھی، اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ بصورت دیگر وہ دین ہے۔

عورتوں کے بارے میں تقویٰ اختیار کرو

حدیث کا اگلا جملہ ہے"واتقوا النساء" اور عورتوں سے بچوں۔ مراد یہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں غلط روش سے اجتناب کرو، جو تشریح میں نے دنیا سے بچنے کے بارے میں کی ہے وہی تشریح اس میں بھی ہوگی یعنی عورتوں سے اس معنی میں بچو کہ عورتوں کی اتنی محبت دل میں نہ آجائے کہ احکامات الہیہ کی تعمیل میں خلل آنے لگے، نہ بایں معنی کے عورتوں سے بالکل ہی پرہیز کرو، ان کے قریب بھی نہ جاؤ، ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، ظاہر ہے کہ اس جملے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ قرآن وسنت اور سیرت طیبہ اس کی نفی کرتی ہیں۔ کیونکہ ہرانسان سب سے پہلے ایک عورت ہی کے پیٹ سے نکلتا ہے پھر وہ کسی عورت کا بھائی ہوتا ہے، کسی کا شوہر، کسی کا بھانجا، کسی کا بھتیجا، اور ان سب کے حقوق کی ادائیگی اس کے ذمہ ہے۔ اس لئے مراد یہاں بھی وہی ہے کہ ان کی محبت اس قدر نہ آجائے کہ اللہ کی اطاعت میں خلل انداز ہونے لگے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں میں تقویٰ کی اہمیت پیدا فرمائے اور ہر اس کام سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے جو اس کی ناراضگی کا سبب ہو۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العلمین﴾

جنّت کے حالات

موضوع : جنت کے حالات

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد ناظم اشرف

جنت کے حالات

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آپ حضرات کے سامنے اس وقت تاجدار دو عالم، سرور کونین، رحمۃ للعلمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی پڑھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایک خوشی تو افطار کے وقت ہوتی ہے اور ایک خوشی اللہ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔''

افطار ویسے تو رمضان میں روزانہ ہوتا ہے اور اس پر جو خوشی ہوتی ہے اس کا ہم مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور جس طرح افطار کے وقت کا ہر ایک کو

انتظار رہتا ہے، اسی طرح ہر ایک کی خوشی بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک افطار چاندرات کو ہوتا ہے جس کی اگلی صبح کو ''عیدالفطر'' کہتے ہیں۔ عیدالفطر کو فطر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان اپنے روزوں کو کھول لیتا ہے اور اس دن اسی خوشی میں عید مناتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں عید کے دن روزہ رکھوں گا تو اسے روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ عید کی خوشی اللہ نے ایسے لازم کردی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں عید نہیں مناتا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ یاد رکھیں! کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں نئے کپڑے نہیں پہنوں گا جیسا کہ آج کل اس بات کا رواج ہے کہ اگر کسی خاندان میں کوئی شخص فوت ہوجائے تو وہاں کے لوگ نہ عید مناتے ہیں اور نہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں یاد رکھیں! کہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ عید منانے یا نہ منانے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں، آپ تو اللہ کے بندے ہیں جب اللہ کا حکم ہے کہ عید مناؤ تو پھر آپ کو حکم کی تعمیل میں عید منانی چاہئے اور بہتر سے بہتر جو کپڑے آپ کے پاس موجود ہوں، انہیں پہنیں، خوشبو لگائیں، اجتماعی طور پر نماز عید میں حاضر ہوں اور عید کی نماز ادا کریں۔ اپنے عزیز واقارب سے ملیں اور فقراء میں صدقہ فطر تقسیم کریں اور کوئی میٹھی چیز بھی نماز عید کو جاتے ہوئے کھالینی چاہئے۔

اسلام میں افراط وتفریط نہیں ہے

لیکن عید منانے کا انداز بھی ہر ایک کا مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ حد اعتدال سے بہت تجاوز کرجاتے ہیں جیسے بعض لوگ عید کے منانے میں بے شمار رقم خرچ کرڈالتے ہیں، اور کچھ لوگ بالکل ہی عید نہیں مناتے خواہ وہ کسی کی

مرگ کے سوگ میں ہوں یا کوئی اور وجہ ہو۔ ایسے لوگ بیجا افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، جبکہ اسلام افراط وتفریط کا نام نہیں، بلکہ اسلام تو اعتدال اور درمیانی راہ کا نام ہے۔ رہا سوگ کا مسئلہ تو یاد رکھیں! کہ شریعت میں میت پر سوگ منانے کی اجازت صرف تین دن ہے اور بس؟ اس کے بعد سوگ منانا جائز نہیں۔ بہرحال مستقل طور پر افطار لیلة العید میں ہوتا ہے اور پھر عید کا پورا دن افطار کا ہوتا ہے اور لیلة العید کے افطار میں انسان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ رمضان کے فرائض ختم ہوگئے، رمضان کی ذمہ داریوں سے ہم عہدہ برا ہوگئے اور کھانے پینے کی پابندیاں بھی ہم سے ختم کردی گئیں، اسی کی خوشی میں انسان آئندہ آنے والے دن جشن اور خوشی مناتا ہے۔ اور یہ خوشی ایسی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر رمضان میں افطار کے وقت بحمداللہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خوشی روزہ دار کو اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت بھی حاصل ہوگی اور احادیث میں اس منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے جس کا مجموعہ میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

پل صراط سے پار ہونے میں لوگوں کی مختلف حالتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کے دن حساب کتاب ہوجائے گا تو لوگوں کو پل صراط پر لایا جائے گا تاکہ وہ اس پر سے ہوکر گذریں چنانچہ جب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے تو کچھ تو ایسے ہوں گے جو اس سے زخمی ہوکر پار ہوں گے اور کچھ لوگ اس طرح گرتے پڑتے پل صراط سے پار ہوں گے کہ ان کو اس میں پانچ سو سال کا عرصہ لگ جائے گا اور

کچھ لوگ بجلی کی سی تیزی سے پل صراط سے پار ہوجائیں گے، کچھ لوگ پرندوں کی طرح اڑ کر پار ہوجائیں گے، کچھ لوگ تیز رفتار گھوڑے کی طرح پار ہوجائیں گے، کچھ لوگ انسانوں کی طرح دوڑ کر پار ہوجائیں گے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو پیدل چلنے والوں کی طرح پار ہوں گے اور جس کو جہنم میں گرنا ہوگا وہ اس میں گر جائے گا، اور خدا کی بیشتر مخلوق جہنم ہی میں گر جائے گی۔(اعاذنا اللّٰہ منه)

جہنم کی آنکڑے

پل صراط کے دونوں طرف جہنم ہے اس طرح کے لوہے کے آنکڑے ہوں گے جیسے تنور میں ڈالنے کیلئے لوہا ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے ان کی حق تلفی کی ہوگی یا والدین کی نافرمانی کی ہوگی تو جب یہ اس کے اوپر سے گذریں گے تو وہ آنکڑے جہنم سے نکل کر ان کو زخمی کریں گے۔ اور اگر کسی نے بہت زیادہ حق تلفی کی ہوگی تو اسے کھینچ کر جہنم میں لیجائیں گے۔ بہرحال ہر انسان کا اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

جہنم کو ایک نظر دیکھنے سے سب راحتیں ختم

جہنم کے نیچے سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی ہوں گی اور شوروغل ہورہا ہوگا اور جہنم کی بدبو اس قدر شدید ہوگی کہ سینکڑوں میل اور سالہا سال کی مسافت سے محسوس ہوگی اور اس کی تمازت اور لپٹ ایسی خطرناک ہوگی کہ حدیث میں آتا ہے کہ میدان حساب میں پکارا جائے گا کہ ایسے شخص کو بلایا جائے جس نے

دنیا میں سب سے زیادہ راحت کی زندگی گذاری ہو جب وہ بلایا جائے گا تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ اور اسے جہنم کے اوپر سے ایک چکر لگوالاؤ چنانچہ حکم کی تعمیل کی جائے گی اور اس کو چکر لگوادیا جائے گا۔ جب وہ شخص واپس آئے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ بتا تو نے دنیا میں کیسی زندگی گزاری؟ کیا تو نے کبھی راحت بھی پائی؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! مجھے تو راحت کے معنی ہی یاد نہیں رہے۔ کیونکہ میں نے یہ جو ایک مرتبہ جہنم کو دیکھا ہے۔ صرف اس کو دیکھ کر ہی میں ساری راحتوں کو بھول گیا ہوں اور یہ تصور بھی نہیں رہا کہ راحت کیسی ہوتی ہے اور اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

بہرحال جو خوش نصیب پل صراط سے پار ہوجائیں گے۔ وہ جونہی جنت کے دروازے پر پہنچیں گے، تو سرور کونین، تاجدار دوعالم، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو پائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کا استقبال فرمائیں گے اور ان کو اپنے دست مبارک سے حوض کوثر کا پانی پلائیں گے اور پل صراط سے پار ہونے کے بعد یہ پہلا موقع ہوگا کہ جنتی تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ نیکی کے فلاں فلاں کام کرتے رہنا اسی پر جینا اور اسی پر مرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہؓ سے حوض کوثر پر ملنے کی جگہ اور وقت طے کئے اور تمام مومنین سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں جو لوگ میرے پیروکار ہوں گے، میرے دین کے مطابق زندگی گزارتے

ہوں گے اور گناہ ہو جانے پر توبہ استغفار کر لیتے ہوں گے وہ بھی متقیوں میں شمار ہوں گے اور ان سے بھی میری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔

اور یہ ملاقات ایسی پیار بھری ہوگی کہ تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے پاک جام عطا فرمائیں گے اور یہ پانی ایسا عجیب و غریب ہوگا کہ جس کے پینے کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی اور نہ ہی کسی کو پیاس لگے گی۔

حوض کوثر

حدیث میں آتا ہے کہ حوض کوثر اتنا بڑا ہے کہ بیت المقدس سے لیکر عدن تک کے فاصلے جتنا بڑا ہے۔ اور اتنی ہی اس کی لمبائی اور چوڑائی ہے اور اس کے اوپر پانی پینے کیلئے جو گلاس رکھے ہوئے ہیں وہ تعداد میں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں اور حوض کوثر میں جو پانی آرہا ہے وہ دو پرنالوں کے ذریعے سے آرہا ہے جو جنت سے آتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

غرضیکہ جب لوگ حوض کوثر پر جمع ہو جائیں گے اور جنت میں داخلہ کا وقت آئے گا تو اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿انا اول من یقرع باب الجنة﴾

میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام سابقین انبیاءؑ کی امتوں سے آگے ہوگی اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس امت کے پیچھے ہوں گی اور تاجدار دو

عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے بھی آگے ہوں گے اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں جنت کی چابی ہوگی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کو کھول کر اس میں اپنی امت کو داخل فرمائیں گے۔ جب لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے تو وہاں ان کو عجیب وغریب نعمتیں دیکھنے میں ملیں گی اور قرآن حکیم کا وہ وعدہ پورا ہوگا جس کو ایک حدیث قدسی میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر﴾

''میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر اس کا گمان بھی گذرا۔''

جہنم سے نکلنے والا آخری شخص

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر سب سے آخر میں اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس شخص کا واقعہ یہ ہوگا کہ جب اس شخص کو جہنم سے نکالا جائے گا تو کافی عرصے تک زخموں سے چور پڑا رہے گا حتیٰ کہ جب اسے ہوش آئے گا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ اے پروردگار! میرا رخ جہنم سے موڑ کر جنت کی طرف کردے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ اچھا اور تو کچھ نہیں مانگو گے؟ وہ عرض کرے گا نہیں! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ تو اس کا چہرہ جہنم سے

پھیر کر جنت کی طرف کر دیا جائے گا۔ وہ شخص کچھ سکون محسوس کر کے بہت دیر پڑا رہے گا پھر سامنے ایک بڑا سایہ دار اور ایک خوش نما درخت دکھائی دے گا جس کو دیکھ کر اس شخص کو بڑا لالچ آئے گا مگر اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد ہو گا۔ بالآخر سوچتے سوچتے وہ شخص یہ دعا کرے گا کہ اے میرے پروردگار! اس درخت کی خوبصورتی کو دیکھ کر مجھے چین نہیں آ رہا اوپر سے دوزخ کی گرمی اور بدبو اس پریشانی میں مزید اضافہ کر رہی ہے اے رب! تو مجھے وہیں پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ اچھا تو اور کچھ تو نہیں مانگے گا وہ پکا وعدہ کرے گا کہ نہیں میں کچھ اور نہیں مانگوں گا۔ غرضیکہ قول وقرار کے بعد اللہ تعالیٰ اسے وہاں پہنچا دیں گے جب یہ شخص وہاں پہنچ جائے گا تو بہت خوش ہوگا پھر اچانک جو اس کی نگاہ اٹھے گی تو اسے اپنے سامنے ایک بہت ہی عظیم الشان درخت نظر آئے گا اب یہ گریہ وزاری کرے گا۔ غرض اسی طرح بار بار عہد کر کے اور ہر عہد کو توڑتا ہوا جب اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے آخری درخت پر پہنچے گا تو اسے جنت اور اس کے عجیب وغریب مناظر نظر آئیں گے جن کو دیکھ کر یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! یہ سب لوگ تو عیش کر رہے ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں تو مجھے بھی وہاں پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو کیسا بندہ ہے بار بار وعدہ کرتا ہے اور پھر عہد شکنی کرتا ہے۔ یہ شخص عرض کرے گا کہ اے اللہ بس اس جنت میں داخل فرما دے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا اللہ تعالیٰ اس کی اِس فرمائش کو بھی پورا فرمائیں گے اور اسے جنت میں داخل کرنے سے پہلے آب حیات میں نہلایا جائے گا تاکہ اس کے جسم پر نیا گوشت چڑھ جائے پھر اس کے بعد اسے پورا جوان بنا کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اب جب یہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو عرض کرے گا کہ اے پروردگار! جنت میں سب لوگوں

نے اپنے اپنے گھروں پر قبضے کر رکھے ہیں۔ جنت بھر چکی ہے، اب اس میں میرے لئے کہاں جگہ بچی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتا تجھے کتنی جگہ چاہیے؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے دنیا کے کسی بادشاہ کے ملک کے برابر ملک دے دیا جائے؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! اگر ایسا ہوجائے تو بہت ہی اچھا ہو۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے اس سے زیادہ تو جگہ نہیں چاہیے؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھی طرح سوچ کر بتا تجھے کتنی جگہ چاہیے۔ کیا ایک دنیا کے برابر چاہیے؟ اب یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! شاید آپ میرے ساتھ مذاق کررہے ہیں حالانکہ آپ تو رحمٰن ورحیم ہیں اللہ جل شانہ یہ سنکر ہنسیں گے اور فرمائیں گے کہ تو ایک دنیا کے برابر جگہ پر تعجب کرتا ہے، جا میں نے تجھے دس دنیاؤں کے برابر جنت میں جگہ عطا فرمادی۔

حدیث کے اس حصے کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسنے لگے پھر صحابہ کرامؓ سے لیکر یہ حدیث ہم تک پہنچی تو جو بھی اس حدیث کو بیان کرتا ہے وہ ہنستا ضرور ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر بھی عمل ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو ''مسلسل بالضحک'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے جنت کی وسعت اور اللہ جل شانہ کی رحمت کا اندازہ لگائیں کہ سب سے زیادہ گنہگار اور ادنی درجہ کے جنتی کو جنت میں دس دنیاؤں کے برابر جگہ عطا کی جائے گی۔

جنتی اپنے علاقوں کا حکمران ہوگا

اب آپ یہ سوچیں گے کہ وہ اکیلا بندہ اتنی بڑی زمین میں کیا کرے گا؟ یاد رکھیں! کہ جنت غیر آباد نہیں ہے اور نہ ہی اس میں صحرا اور ویرانے ہیں

وہ اتنی سرسبز و شاداب اور اتنی آباد جگہ ہے کہ وہاں انسان ہر وقت نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہے گا اور ہر شخص اپنے علاقے پر حکومت کرے گا اور اس کی حکومت ایسی عظیم الشان ہوگی کہ اس کی رعیت اس کے حکم کے خلاف ورزی نہیں کر سکے گی، حوریں اور غلمان (خوبصورت لڑکے) اس کے خادم ہوں گے قرآن کریم میں ہے کہ اور وہ جنت ایسی ہوگی کہ:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۳۲-۳۱)

"اور تمہیں اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا ملے گی اور اس میں تمہارے لئے جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور و رحیم کی طرف سے"

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

﴿اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

(سورہ یسین آیت نمبر ۸۲)

"جب وہ (اللہ تعالیٰ) کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے" ہوجا" تو وہ ہوجاتی ہے۔"

یہی شان اللہ جل شانہ جنتی کو عطا فرمادیگا اور جو جنتی کسی کام کو کہے گا کہ ہوجا تو وہ ہوجائے گا۔

جنت میں کھیتی باڑی

حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنتی کو یہ خیال آئے گا کہ میں دنیا میں کھیتی باڑی کیا کرتا تھا جس سے مجھے بہت مزہ آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے

کہ کیا تیرا دل کھیتی باڑی کرنے کو چاہتا ہے؟ وہ عرض کرے گا ہاں! دل تو چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا تمہیں اجازت ہے چنانچہ وہ بیج ڈالے گا تو اسی لمحے کھیتی اگ جائے گی اسی لمحے پک جائے گی اور اسی لمحے کٹ جائے گی۔غرضیکہ جس چیز کی خواہش ہوگی وہ ملے گی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک بدّو آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جنت میں اونٹ بھی ہوں گے؟ کیونکہ ان لوگوں کو اونٹوں سے بڑی محبت ہوتی تھی لیکن اونت گندگی بہت پھیلاتے ہیں اور جنت ایسی جگہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو پیشاب اور پائخانہ کی حاجت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی وہاں کسی قسم کی گندگی ہوگی اور جو غذا بھی کھائیں پئیں گے وہ ڈکار کے ذریعے ہضم ہوجائے گی، یا خوشبودار عرق گلاب کی طرح پسینہ کے ذریعے خارج ہوجائے گی۔ وہاں بڑھاپا نہیں ہوگا۔ بلکہ بوڑھے جوان کرکے ۳۳ سال کی عمر میں جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ نہ وہاں داڑھی مونچھ ہوگی، نہ وہاں تکان ہوگی اور نہ ہی کسی کو نیند آئے گی کیونکہ نیند تو تکان سے آتی ہے، وہاں رات ہی نہیں ہوگی وہاں ایسی عیش ہوگی کہ انسان اس سے کبھی نہیں اکتائے گا، وہاں تمام جنسی لذتیں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔ لوگ سوچتے ہیں کہ ممکن ہے وہاں جاکر جنسی خواہشات اور لذتیں ہی ختم ہوجائیں تو پھر حوروں کا کیا کیا جائے گا؟ یاد رکھیں! وہاں ایسی بات نہیں ہے بلکہ وہاں تو ہر چیز کی تاثیر اور لذت کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی جسمانی قوت بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

اہل جنت کے قد وقامت

حدیث میں آتا ہے کہ جنتی آدمی کو اتنے بڑے بڑے علاقے دیئے جائیں گے کہ جب وہ گھومنے جائے گا تو دیکھے گا کہ مختلف درختوں پر طرح طرح کے پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایک بیر کے درخت کو دیکھے گا اور اس کا ایک ایک بیر گھڑے کے برابر ہوگا۔ جنت میں جنتیوں کا قد وقامت بڑھا کر حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر کر دیا جائے گا اور حدیث کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع (ساٹھ ہاتھ) تھا۔ اب وہ جنتی اپنے اس قد وقامت کے ساتھ ایک شاخ سے ایک بیر کو توڑے گا اور اس کے دو ٹکڑے کرے گا تا کہ اسے کھائے جب وہ اسے دو ٹکڑے کریگا تو اس میں سے ایک حور نکلے گی اور یہ حور ایسی خوبصورت ہوگی کہ اس شخص کے پاس جنتی بھی حوریں ہونگی یہ ان سب سے زیادہ خوبصورت ہوگی۔

اہل جنت کے لئے موسیقی

جنت کے ایک درخت کا نام طُوبیٰ ہے۔ ہر جنتی کے گھر میں اس کی شاخیں پہنچی ہوئی ہوں گی اور وقفے وقفے سے جنت کی خاص قسم کی خوشبودار ہوائیں چلیں گی اور جب یہ ہوائیں چلیں گی تو درخت کے پتوں میں عجیب وغریب قسم کی حرکت ہوگی جس سے ایک ساز اور موسیقی کی آواز پیدا ہوگی اور وہ ایسی موسیقی ہوگی کہ کبھی کسی کان نے ایسی لذیذ موسیقی نہیں سنی ہوگی اور یہ انہیں لوگوں کو نصیب ہوگی جو دنیا کی موسیقی سے اپنے کانوں کو بند رکھتے ہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ نئی سے نئی لذتوں اور مسرتوں کے ساتھ گذرتا رہے گا۔ ایک دن اعلان ہوگا

کہ آج جشن منایا جارہا ہے۔ تمام جنتیوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا جائے گا اور ہر ایک اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ جائے گا جس میں عام مسلمانوں کو مشک، عنبر، زمرد اور یاقوت کے نہایت حسین ودلفریب ٹیلوں پر جگہ دی جائے گی اور اوپر کے درجوں کے جنتیوں کو ان کے مراتب اور درجات کے مطابق شاندار کرسیوں پر جگہ ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ آپ اپنے مخصوص لہجے میں زبور سنائیے، جب حضرت داؤد علیہ السلام پڑھیں گے تو پوری مجلس پر ایک عجیب کیف طاری ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش کی طرح ہلکا سا خوشبو کا ایک خاص چھڑکاؤ ہوگا ایسی خوشبو کو اہل جنت نے اس سے پہلے کبھی استعمال نہ کیا ہوگا، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ تم اپنا نغمہ سناؤ چنانچہ وہ اپنا نغمہ سنائیں گے جس کو سن کر اہل جنت مبہوت ہو جائیں گے۔

اللہ کے دیدار کی درخواست

پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اے میرے بندو! میں نے تمہیں جنت دینے کا وعدہ کیا تھا، جنت میں جن نعمتوں کا میں نے وعدہ کیا تھا کیا وہ سب نعمتیں تمہیں مل گئیں؟ تمام اہل جنت پکار اٹھیں گے کہ یا اللہ! آپ نے ہمیں سب کچھ دیدیا، پھر اعلان ہوگا کہ اچھی طرح سوچو کوئی نعمت رہ تو نہیں گئی؟ جنتی عرض کریں گے کہ اے پروردگار تو نے ہمیں سب کچھ عطا فرمادیا ہے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ پھر جب بار بار یہی اعلان ہوگا تو یہ آپس میں سوچیں گے کہ ایسی کون سی چیز رہ گئی ہے۔ جس کے بارے میں بار بار پوچھا جارہا ہے؟ تو یہ لوگ علماء سے رجوع کریں گے اور پوچھیں گے، علماء کہیں گے کہ ایک نعمت رہ گئی ہے

جو ابھی تک تمہیں حاصل نہیں ہوئی۔ وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں اپنا دیدار کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نعمت کی درخواست کرو۔

اللہ کا دیدار

اب یہ مومنین خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور درخواست کریں گے کہ اے پروردگار! آپ نے ہمیں اپنی سب نعمتیں عطا کردیں اب اپنا دیدار بھی کروا دیجئے پھر اللہ جل شانہ براہ راست اپنا دیدار کرائیں گے اور حدیث میں آتا ہے کہ تمام اہل جنت اللہ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیسے کریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو، جب آسمان بالکل صاف ہو اور بادل نہ ہوں؟ کیا اس کو دیکھنے میں کوئی شخص دوسرے کے لئے رکاوٹ بنتا ہے یا اس کو دیکھنے میں کسی کو تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کا بھی اسی طرح دیدار کرو گے جیسے تم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو۔ اور اس دیدار کی ایسی لذت ہوگی کہ اس کے آگے تمام لذتیں ہیچ ہوجائیں گی اور تمام اہل جنت اس دیدار میں مست ہوجائیں گے اور اس نعمت کو تمام نعمتوں سے بڑھ کر محسوس کریں گے۔ یہ جمعہ کا دن ہوگا لیکن جب وہ یہاں سے واپس ہونے لگیں گے تو فکرمند ہوں گے کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کرکے یہ عظیم خوشخبری دی جائے گی کہ ہر جمعہ کو ایسا ہی اجتماع ہوا کرے گا اور تم ہمارے دیدار سے مشرف ہوا کرو گے۔ یہ سن کر خوشی کی انتہاء نہیں رہے

گی۔جنتی خوش وخرم اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو راستہ میں ایک میلہ لگا ہوا دیکھیں گے جو عجیب وغریب اور تصورات سے بالاتر ہوگا، یہاں انسانوں کی شکلیں ہوں گی اور جنتیوں کو ایسی قدرت دی جائے گی کہ اگر وہ اپنی صورت بدلنا چاہیں تو بدل لیں اور جس قالب میں اپنے آپ کو چاہیں گے، ڈھال لیں گے۔ اور جب یہ اپنے گھروں کو واپس ہوں گے تو ان کی بیوی اور حوریں ان سے پوچھیں گی کہ اب تو آپ کا حسن وجمال بہت ہی بڑھ گیا ہے۔ یہ کیسے ہوا؟ تو وہ کہیں گے کہ آج ہم اپنے پروردگار کا دیدار کر کے آئیں ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارے حسن وجمال میں یہ اضافہ ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرمائے اور اپنے اس دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

مستحب کام اور
انکی اہمیت

موضوع : مستحب کام اور ان کی اہمیت

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبداللہ میمن صاحب مدظلہ

مقام : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد ناظم اشرف

مستحب کام اور ان کی اہمیت

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و
نؤمن بہ ونتوکل علیہ ٗ و نعوذ باللہ من
شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ٗ من
یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا
ھادی لہ ٗ واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا
شریك لہ ٗ واشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا
محمدا عبدہ ورسولہ ٗ صلی اللہ تعالی
علیہ و علی الہ وصحبہٖ و بارك وسلم
تسلیما کثیرًا کثیرا۔ اما بعد۔

بہترین طریقۂ زندگی

الحمد للہ ' آج ہمارے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا ہے '
اور صحیح بخاری کے درس سے ہم نئے سال کی تعلیم کا آغاز کر رہے ہیں آج کے بعد باقاعدہ اسباق شروع ہو جائیں گے۔ میں ہر مرتبہ اپنے عزیز طلبہ سے ابتدائی خطاب کرتے ہوئے کہا کرتا ہوں کہ ہم نے یہ مدرسہ ' یہ دارالعلوم صرف تعلیم اور درس و تدریس کے لیے نہیں کھولا ' بلکہ اس کا مقصد طلبہ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت دینا بھی ہے کہ یہاں رہ کر آپ کے اخلاق کی اور آپ کے اعمال کی تربیت ہو۔ اپنی زندگی کو حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کے مطابق ڈھالنے کی تربیت کا کام یہاں انجام دینا ہے اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے ہر عمل میں اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ یہ دیکھیں کہ ہمارا یہ عمل سنت کے مطابق ہے یا نہیں ؟ اور ہماری کوشش یہ ہو کہ ہم اپنی زندگی کے جس عمل کو بھی سنت کے مطابق کر سکتے ہوں ' اس کو ضرور سنت کے مطابق کر لیں ' سنت سے بہتر کوئی طریقۂ زندگی اس دنیا میں موجود نہیں ' دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح اسی طریقے کے اندر جمع ہیں۔ آج تک دنیا کا کوئی معاشرہ ' کوئی فلسفہ ' کوئی شریعت و مذہب ایسا طریقۂ زندگی نہیں لا سکا ' جو طریقۂ زندگی فخر موجودات سرور دو عالم ﷺ نے اپنے اقوال اور اپنے افعال کے ذریعہ اس امت کو سکھایا ' اور صحابہ کرامؓ پر قربان جائیے کہ انھوں نے اپنے محبوب رسول ﷺ کی ایک ایک ادا کو حفظ کر کے ' اور ان کو اپنی زندگی میں عملی طور پر رچا بسا کر تابعین تک پہنچایا ' اور پھر

تابعین نے اس کو تبع تابعین تک پہنچایا اور اس طرح حضور اقدس ﷺ کا طریقۂ زندگی منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچا ہے۔

صرف علم کافی نہیں

یاد رکھیے ' اگر کوئی مسئلہ آپ زبانی یاد رکھنا چاہیں گے ' وہ یاد نہیں رہیگا۔ کچھ عرصہ بعد بھول جائیں گے یا بھول جانے کا خطرہ تو بہر حال رہے گا ہی ' مسئلے کو یاد رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ خود اس مسئلہ پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ پھر وہ مسئلہ آپ نہیں بھولیں گے۔ بالکل اسی طرح سنت کا صرف علم کافی نہیں ہے ' اس سنت پر عمل کرنا اور اس کو اپنی زندگی میں رچا بسا لینا بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ سنت یاد رہے۔ پھر وہ سنت نہیں بھولے گی۔

دین کا خلاصہ "سنت"

سنت سے میری مراد یہ نہیں جو "غیر واجب" ہو۔ جیسا کہ عوام سنت کا یہی مطلب لیتے ہیں ' میں یہاں "سنت" کا لفظ اس معنی میں استعمال نہیں کر رہا ہوں ' بلکہ سنت سے میری مراد عام معنی ہیں یعنی ہر وہ فعل یا قول جو رسول ﷺ سے ثابت ہو ' وہ سنت ہے ' سنت کے اس معنی اور مفہوم میں فرض بھی شامل ہے ' واجب بھی داخل ہے۔ اور سنت مؤکدہ اور مستحبات بھی اس میں شامل ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے پانچ وقت کی نماز بھی سنت ' روزہ رکھنا بھی سنت اور مسواک کرنا بھی سنت ' اور وتر کی نماز پڑھنا بھی سنت ' اور مسجد میں داخل

ہوتے وقت دایاں پاؤں داخل کرنا بھی سنت ہے اور پہلے داہنے پاؤں میں جوتا پہننا بھی سنت ہے۔ لہذا دین کا خلاصہ سنت 'اور سنت کا مطلب "دین" ہے یہ دونوں ایک چیز ہیں 'جو شخص سنت سے جتنا دور ہے 'وہ دین سے بھی اتنا ہی دور ہے اور جو شخص جتنا سنت کا متبع ہے 'وہ دین کا بھی اتنا ہی متبع اور پیروکار ہے۔

"مستحبات" عمل کے لیے ہیں

لہذا اس معنی کے اعتبار سے مستحبات (مستحب کام) بھی سنت ہیں 'اور معمولی چیز نہیں بلکہ دین ہی کا ایک اہم حصہ ہیں 'مستحبات (یا مستحب کام) ایسے کاموں کو کہا جاتا ہے جن کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ان کاموں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں جیسا کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مستحبات معمولی چیز ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان پر عمل کریں تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ مستحبات ہی تو ہیں اگر عمل نہ کیا تو کیا حرج ہے؟ اگر یہ بات عوام کہیں تو ان کو صرف مستحب پر عمل کرنے کی ترغیب کر دی جائیگی ' لیکن عمل نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائیگی لیکن وہ طلبہ اور علماء جنھوں نے یہ عزم کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے مطابق ڈھالیں گے اور ہمارا جینا مرنا اس دین اور اس سنت کے مطابق ہوگا 'ایسے طلبہ کو ترک مستحبات پر بھی ٹوکا جائیگا ' چنانچہ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو ترک مستحبات پر بھی ٹوکیں ' اس لیے کہ وہ طلبہ یہاں تربیت کے لیے اور دین کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کے لیے آئے ہیں۔

شیطان کے بہکانے کا انداز

جب انسان کے سامنے کوئی مستحب عمل آتا ہے مثلاً نفلی نمازیں، نفلی روزہ، نفلی صدقہ و خیرات وغیرہ اور مثلاً راستے سے ایسی چیز ہٹا دینا جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو۔ جوتا دائیں پاؤں میں پہلے اور بائیں میں اُس کے بعد پہننا وغیرہ تو دائیں طرف بیٹھا فرشتہ اسکو ترغیب دیتا ہے کہ اس کو کرلو، لیکن بائیں طرف بیٹھا ہوا شیطان اس کو ٹوکتا ہے کہ بھائی، یہ عمل مستحب ہی تو ہے چھوڑ دینے میں کیا حرج ہے؟ بہت سے لوگوں کو بائیں طرف والے شیطان کی بات سمجھ میں آجاتی ہے، وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی دلیل مضبوط ہے کہ مستحب چھوڑنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے، چنانچہ وہ اس کی بات مان کر اس مستحب کام کو چھوڑ دیتے ہیں جب شیطان یہ دیکھتا ہے کہ اس نے میری بات مان لی ہے تو اس کی ہمت بڑھ جاتی ہے، اب وہ دوسرے مستحبات بھی ترک کرانا شروع کر دیتا ہے، چنانچہ وہ ہر موقع پر اس کو ترغیب دیتا ہے کہ یہ مستحب چھوڑ دو تو کیا حرج ہے؟ اس پر عمل نہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رفتہ رفتہ وہ شیطان اس کو مکروہ تنزیہی پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ اس پر عمل کرلو اس وقت دائیں طرف بیٹھا ہوا فرشتہ اس کو ٹوکتا ہے کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے تو شیطان اس کو دلیل دیتا ہے وہ اس کو کہتا ہے کہ جناب مکروہ تنزیہی تو مباح ہی کا ایک فرد ہے۔ اس پر عمل کرنا جائز ہے، کرلو، کوئی حرج نہیں اب وہ سوچتا ہے کہ یہ بات تو صحیح کہہ رہا ہے کہ مکروہ تنزیہی بھی مباح ہی کا ایک فرد ہے، چنانچہ وہ شخص اب مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کرنے لگتا ہے، اور اس طرح یہ شیطان اس کو تباہی کے

راستے پر ڈال دیتا ہے کیونکہ اس کے بعد وہ شیطان اس سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب بھی رفتہ رفتہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے کرانے لگتا ہے چنانچہ اس کو ترغیب دیتا ہے کہ یہ عمل کرلو' اب دائیں طرف والا فرشتہ اس کو ٹوکتا ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی تو ناجائز ہے، تو شیطان اس کے خلاف دلیل دیتا ہے کہ جناب! یہ مکروہ تحریمی تو ظنی ہے قطعی نہیں ہے اور اس کی کراہت صرف خبر واحد سے ثابت ہوئی ہے اس لیے اس کی کراہت کمزور قسم کی ہے اور پھر یہ گناہ صغیرہ ہے' اور گناہ صغیرہ ہر نیک عمل کے ذریعے معاف ہو جاتا ہے نماز پڑھو گے تو یہ معاف ہو جائے گا لہذا کرلو' کیا حرج ہے! چنانچہ اس شخص کو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے اور اس کا ارتکاب کرلیتا ہے اور اس طرح وہ آہستہ آہستہ صغیرہ گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اب شیطان سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص میرے قابو میں آ گیا' چنانچہ شیطان اس کو اب کبیرہ گناہوں کی ترغیب دینے لگتا ہے۔ اس وقت پھر داہنی طرف والا فرشتہ اس کو ٹوکتا ہے کہ کمبخت' تو اب تک تو تاویلیں کر کے صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کر رہا تھا اور اب کبیرہ گناہوں کا ارادہ کر رہا ہے؟ تو شیطان اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ بھائی! توبہ کا دروازہ تو کھلا ہے کرلو پھر توبہ کرلینا اس طرح یہ شیطان اس کو تباہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ شخص اس شیطان سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دائیں طرف والے فرشتے سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ مستحب ہی تو ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ فرمایا کرتے تھے

کہ دیکھو' بہت سے لوگ مستحب کاموں کو یہ کہہ کر ترک کر دیتے ہیں' کہ یہ مستحب ہی تو ہے' ترک کرنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا کہ ایک مولوی صاحب تھے' جب وہ مسجد سے باہر نکلے تو انھوں نے خلاف سنت دایاں پاؤں مسجد سے پہلے نکالا' میں نے کچھ نہ کہا اس کے بعد ایک اور موقع پر پھر ایسا ہی ہوا کہ مسجد سے نکلتے وقت انھوں نے پہلے دایاں پاؤں نکالا' ان مولانا صاحب کا چونکہ مجھ سے اصلاحی تعلق تھا اس لیے میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب! یہ تو سنت کے خلاف ہے۔ انھوں نے چھوٹتے ہی فوراً جواب دیا کہ حضرت یہ مستحب ہی تو ہے۔اس کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ عمل مستحب ہے تو پھر اس کو چھوڑنے پر اعتراض بھی نہ فرمائیں۔

"مستحبات" اللہ کے پسندیدہ اعمال ہیں

حضرت والا نے فرمایا کہ ان مولوی صاحب نے ''مستحب'' کو حقیر سمجھا اور یہ نہ سوچا کہ یہ مستحب کیا چیز ہے؟ یہ لفظ "مستحب" استحباب سے بنا ہے' استحباب کا مادۂ اشتقاق "حب" ہے گویا کہ "مستحب" وہ عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اور جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے تو جس عمل سے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہو کیا وہ عمل معمولی چیز ہے؟ اور "مستحب" کے معنی ہیں "پسند کیا ہوا" کس کا پسند کیا ہوا؟ اللہ جل شانہ کا پسند کیا ہوا ہمارے رب' ہمارے خالق و مالک اور ہمارے محسن کا پسند کیا ہوا عمل ہے اور پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس پر عمل کرے گا' وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو

جائے گا۔

یہ جملہ جہنم میں لے جانے والا ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات آپ کی ٹھیک ہے کہ یہ ''مستحب'' ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا ''مستحب'' ترک کرنے کے لیے ہوتا ہے؟ یا عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے؟ لوگوں نے مستحب کا مطلب یہ نکالا ہے کہ مستحب وہ ہے جس کو ترک کیا جائے۔ حالانکہ ترک کرنے کی چیز تو ''گناہ'' ہے۔ مستحب تو عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

ہمارے طلبہ میں ذہنی طور پر اگرچہ یہ غلط فہمی موجود نہ ہو۔ لیکن عملی اور لاشعوری طور پر یہ غلط فہمی ہمارے طلبہ میں اور بہت سے علمی مشغلہ رکھنے والے حضرات میں پائی جاتی ہے کہ چلو یہ عمل مستحب ہی تو ہے ترک کرنے میں کیا حرج ہے؟ یاد رکھو' جو شخص یہ جملہ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے ''وہ شخص کبائر میں مبتلا ہو کر رہتا ہے اور اس طرح بالآخر یہی جملہ انسان کو جہنم تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے''۔

اس میں بڑا حرج ہے

تم کہتے ہو کہ کیا حرج ہے لیکن یہ تو دیکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل چھوٹ گیا تو کیا کوئی حرج نہیں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے جس عظیم ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ جب نہیں ملا تو اس میں حرج نہیں ہے؟ یا مثلاً اگر بہت

بڑا محل جواربوں کھربوں روپے کا تھا جو بے شمار نازو نعمت کے قیمتی سامان سے بھرا ہوا تھا۔ وہ محل آپ کو ایک مختصر سے مستحب پر عمل کرنے کے نتیجے میں مل سکتا تھا وہ آپ کو مستحب کے ترک کی وجہ سے نہ مل سکا تو کیا یہ حرج ہے یا نہیں؟ یہ کتنی بڑی محرومی ہے' اور کتنا بڑا حرج ہے۔

نیکی کا خیال "اللہ کا بھیجا ہوا مہمان ہے"

ہمارے مرشد حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلیفہ تھے اسی سلسلے میں ان کا ایک عجیب ملفوظ ہے' جو یاد رکھنے کے قابل ہے' فرمایا کہ ہر انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہمان آیا کرتا ہے اگر اس مہمان کی پذیرائی کی جاتی ہے' اس کا اکرام کیا جاتا ہے' اس کی خاطر تواضع کی جاتی ہے تو وہ مہمان بار بار آنے لگتا ہے اور اگر اس کا بہت زیادہ اکرام اور تعظیم کی جائے تو وہ مہمان یہیں رہنے لگتا ہے اور یہیں اپنا ڈیرہ لگالیتا ہے اس مہمان کا نام "خاطر" یعنی "نیکی کرنے کا خیال ہے" یہ خیال اور "خاطر" اللہ کا مہمان ہے' اس کی تعظیم اور اکرام یہ ہے کہ نیکی کا خیال آنے کے بعد اس پر فوراً عمل کر لیا جائے مثلاً بیت الخلاء میں جانے کے لیے غیر شعوری طور پر آپ کا دایاں پاؤں پہلے اٹھے گا آپ نے پاؤں داخل کرنا چاہا' اس وقت خیال آیا یہ تو تم سنت کے خلاف کر رہے ہو سنت یہ ہے کہ بایاں پاؤں پہلے داخل کیا جائے آپ نے اس خیال کے آتے ہی دایاں پاؤں پیچھے ہٹا لیا اور سنت کے مطابق بایاں پاؤں پہلے داخل کیا تو اب آپ نے اللہ کے اس مہمان کی پذیرائی کی

اس کا اکرام کیا اس کی حوصلہ افزائی کی تو اب وہ مہمان دوبارہ بھی آئے گا چنانچہ جب آپ بیت الخلاء سے باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اُس قت یہ مہمان ذرا اور پہلے آجائے گا اور قدم باہر نکالنے سے پہلے وہ آپ کو کہہ دے گا کہ دیکھو دلیاں پاؤں پہلے باہر نکالنا ہے اگر آپ نے اس کی بات مان کر اس پر عمل کر لیا تو اب یہ مہمان باربار آئے گا اور ہر نیکی کے موقع پر یہ آپ کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

پھر یہ مہمان آنا بند کر دے گا

لیکن اگر پہلی مرتبہ یہ خیال آیا تھا اُس وقت شیطان نے تمھیں یہ سبق سکھا دیا کہ جناب صاحب یہ عمل مستحب ہی تو ہے ترک کرنے میں کیا حرج ہے اور آپ نے اس کی بات مانتے ہوئے اس نیکی کے خیال کو جھٹک دیا تو اس صورت میں اس خاطر کی اور مہمان کی دل شکنی ہو گی لیکن اس کے بعد وہ پھر دوبارہ آئے گا جب دو تین بار آپ اس کی بات نہیں مانیں گے تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دے گا اور یہ سوچے گا کہ ایسے میزبان کے پاس کون جائے جو مہمان سے بات کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہو اس لیے ہمارے مرشد حضرت مولا نا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس مہمان کی قدر کیا کرو اس کا اکرام کرتے ہوئے اس کی بات مان لیا کرو تاکہ یہ مہمان بار بار آئے اور تمھارے اور اسکے درمیان تعلقات اچھے ہو جائیں اور اگر اس کی ناقدری کرو گے تو یہ آنا ہی چھوڑ دے گا اور جب یہ آنا چھوڑ دے گا تو پھر کبیرہ گناہوں سے روکنے والا بھی کوئی نہیں آئے گا۔

ایک اصول

بہر حال ' یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ' جن پر عمل کرنے کے بعد انسان بڑی چیزوں کی طرف بڑھتا ہے نیکیوں میں بھی یہ اصول کار فرما ہے اور گناہوں میں بھی یہی اصول جاری ہے جو آدمی صغیرہ گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے ' وہ رفتہ رفتہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتا ہے ' اور جو شخص مستحبات پر عمل کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ترقی دیتے ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک اپنے فضل و کرم سے پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مستحبات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عالم دین کی ذمہ داریاں

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو جس طبقے سے منسلک کر دیا ہے اس کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ ان سے پوچھ بھی زیادہ ہو گی۔ اب ایک شخص وہ ہے جو رکشہ چلاتا ہے یا بس چلاتا ہے یا سرکاری ملازم ہے اس پر دینی اعتبار سے اتنی ذمہ داریاں نہیں ہیں جتنی ذمہ داریاں مجھ پر اور آپ پر ہیں اس لیے کہ ہمیں جو کچھ مل رہا ہے وہ اسی بنیاد پر مل رہا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عالم با عمل ہوں گے ' آج دنیا ایسے علماء کی منتظر ہے جو دین کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عملی زندگی گزار رہے ہوں ' آج کے دور میں کمی

اس بات کی ہے کہ دین کا مکمل نمونہ سامنے موجود نہیں جو سیاست میں بھی سنت کا مکمل نمونہ ہو ' نماز اور عبادات میں بھی سنت کا نمونہ ہو ' گھریلو زندگی میں بھی سنت کا نمونہ ہو ' تجارت و معیشت میں بھی سنت کا نمونہ ہو۔ اخلاق اور عادات میں بھی سنت کا نمونہ ہو آج ایسے کامل نمونے کی ضرورت ہے۔

دار العلوم دیوبند کی وجہ شہرت

علماء دیوبند ' جن کے ہم نام لیوا ہیں پوری دنیا میں جن کا نام چمکا ' یہ صحابہؓ کرام کے نمونے تھے انھوں نے صحابہؓ کرام کی زندگیوں کے عملی نمونے دنیا کو دکھادیے ہم نے تو صرف کتابوں میں پڑھا ہے کہ صحابہ کرام ایسے تھے۔ لیکن علماء دیوبند نے اپنے اخلاق ' اپنے اعمال اور اپنے کردار کے ذریعے دنیا کو دکھادیا کہ آج بھی ایسے افراد ہو سکتے ہیں۔ دار العلوم دیوبند کا نام اس کی عمارتوں کی وجہ سے نہیں چمکا کہ اس کی عمارتیں بہت بڑی ہیں ' یا اس کی زمین بہت وسیع و عریض ہے ' اور نہ طلبہ کی تعداد کی وجہ سے چمکا کہ اس کے اندر ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں بلکہ دار العلوم دیوبند کا نام پوری دنیا میں اس لیے جگمگایا کہ وہاں علم بھی ٹھوس اور گہرا تھا اور عمل بھی ان کے ہر شعبۂ زندگی میں سنت کے مطابق تھا ' ایک ایک طالب علم اور ایک ایک استاد صحابہ کرامؓ کا عملی نمونہ ہوتا تھا۔

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ

میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ '

حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے اور دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ فارسی کے صدر مدرس تھے اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم سبق اور بے تکلف دوست تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اسی سال ہمارے دادا کی ولادت ہوئی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے اور تقوی اور پرہیزگاری میں عملی نمونہ تھے، علمی گھرانے کے فرد تھے یہ تمام خصوصیات ان کے اندر جمع تھیں لیکن اس کے باوجود انھیں دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ عربی کے بجائے شعبۂ فارسی میں لگادیا گیا، فارسی بہت اچھی پڑھاتے تھے فارسی میں بہت قابل تھے اس لیے دارالعلوم کے بزرگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو فارسی ہی میں رہنے دو چنانچہ عمر بھر فارسی ہی پڑھاتے رہے اور شعبۂ فارسی کے صدر مدرس بن گئے اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث کی کتب پڑھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ ضرور صلاحیت رکھتے تھے مگر اس وقت مدرسے کو فارسی پڑھانے والے کی ضرورت تھی اور چونکہ فارسی اچھی پڑھاتے تھے اس لیے بزرگوں نے کہا کہ تم فارسی کی خدمت کرتے رہو چنانچہ اس بندۂ خدا نے پوری عمر فارسی پڑھانے میں گزار دی اور کبھی یہ درخواست بھی نہیں دی کہ مجھے عربی کا کوئی سبق دے دیا جائے۔ یہ ان کے اخلاص کی دلیل تھی۔ کیونکہ پڑھانے سے مقصود تو اللہ تعالی کی رضا ہے، اگر آمدن نامہ پڑھانے سے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے اور بخاری شریف پڑھانے سے اللہ کی رضا حاصل نہ ہو تو اس صورت میں بتایئے آمدنامہ پڑھانا اچھا

ہے یا بخاری شریف پڑھانا اچھا ہے؟ ظاہر ہے کہ آمدن نامہ پڑھانا اچھا ہے ان حضرات کی نظروں سے کبھی اصل مقصود او جھل نہیں ہوتا تھا۔

سنتوں کو زندہ کرتے تھے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے کہ۔

"میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث سے لیکر دربان اور چپڑاسی تک ہر ایک صاحب نسبت ولی اللہ ہوتا تھا"

پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا نام چمکنے اور پھیلنے کا راز یہی تھا، آج ہم انھیں بزرگوں کے نام لیوا ہیں ہمارے یہ بزرگ دوسرے فرقوں کے خلاف جلوس نہیں نکالا کرتے تھے اور نہ لڑتے جھگڑتے تھے بلکہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے اور صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے زندہ کرتے تھے، اور صحابہ کرامؓ کے نمونوں کو تازہ کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے انوار و برکات پھیلتے جارہے تھے' تھوڑی سی محنت سے کام کہیں سے کہیں پہنچ جاتا تھا اس لیے کہ جو کام اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق کیا جاتا ہے اس میں برکتیں ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

یہ واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ ایک یہودی نے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے سامنے شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کرتے ہوئے گالی دے دی ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرت اور حمیت کہاں اس بات کو برداشت کر سکتی تھی ' چنانچہ فوراً اس یہودی کو پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر خنجر نکال کر اس کے سینے میں گھونپنے لگے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی سزا ہی یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے ، لیکن یاد رکھیے! قتل کرنے کا اختیار ہر ایک کو نہیں ہے اس کا اختیار والی ملک اور حکومت کو ہے اس لیے کہ حدود و قصاص جاری کرنے کا عمل حکومت کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا قاضی اور حاکم کو اس کا اختیار ہے ' چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اس لیے آپ کے پاس اس کو قتل کرنے کا اختیار تھا۔

اس یہودی نے جب دیکھا کہ اب میں مر رہا ہوں تو اس وقت مایوسی کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا تو کچھ سوچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے ' لوگ حیران ہو گئے کہ ابھی تو قتل کر رہے تھے اور اب چھوڑ دیا ' کسی نے پوچھا کہ آپ نے کیوں چھوڑ دیا؟ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور شرعی حکم کی وجہ سے قتل کر رہا تھا لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا تو اس کی وجہ سے میرے غصے میں اور اضافہ ہو گیا اور میرا دل چاہا کہ اس کو جلد از جلد قتل کر دوں لیکن اس وقت مجھے خیال آیا کہ اب اگر میں اس کو قتل کروں گا تو اپنے غصہ کی وجہ سے قتل کرونگا اور اپنی ذات کی وجہ سے قتل کرونگا اور اس قتل میں غلط نیت شامل ہو جائے گی اس لیے میں اس کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

یہودی نے یہ بات سنی تو فوراً مشرف باسلام ہو گیا اور کہا کہ جس دین کے پیروکار تقویٰ کا یہ کمال درجہ رکھتے ہوں وہ کتنا عظیم دین ہے۔

مادرزادولی اللہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ تو ہم نے کتابوں میں پڑھا، لیکن اس واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاد حدیث حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ہے جو سنن ابو داؤد پڑھایا کرتے تھے یہ ہمارے دادا کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب کے بے تکلف استاد تھے، صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے اُس وقت کے دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ اور بزرگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ مادرزادولی اللہ ہیں میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ جب گھر میں کوئی بیمار ہو جاتا تو حضرت والد صاحب فرماتے کہ چلو میاں صاحب کے پاس چلیں، حضرت میاں صاحب نے اس پر دم کر دیا یا تعویز دے دیا اور بیماری رخصت ہو گئی، ٹھیک ٹھاک ہو گئے۔

میاں اصغر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دیوبند میں خشک سالی ہوئی۔ اور عرصہ دراز تک بارش نہ ہوئی لوگ بے تاب ہو گئے، دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں نے مشورہ کر کے نماز استسقاء کا اعلان کر دیا دارالعلوم کے ایک بڑے عالم دین نے نماز استسقاء

پڑھائی ' تمام حضرات شریک ہوئے شہر کے لوگ بھی شریک ہوئے مگر بارش نہ ہوئی دوسرے دن پھر نماز استسقاء ہوئی ' انھیں بزرگ نے پھر امامت فرمائی لیکن بارش نہ ہوئی تیسرے دن پھر نماز استسقاء کا اعلان ہوا 'لوگ جمع ہو گئے اور صفیں بندھ گئیں اور قریب تھا کہ وہی بزرگ عالم دین جنھوں نے پہلے دو دن نماز پڑھائی تھی امامت کے لیے آگے بڑھیں حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ کبھی نماز میں امامت نہیں کراتے تھے حتی کہ اگر سفر پر ہوتے تب بھی اپنے ساتھ جو شاگرد ہوتا اس کو آگے کر دیتے خود آگے نہیں ہوتے تھے۔ اور حضرت میاں صاحبؒ ان بزرگ عالم دین کے مقابلے میں کم درجے کے سمجھے جاتے تھے جنھوں نے دو روز تک نماز استسقاء پڑھائی تھی۔ان تمام امور کے باوجود حضرت میاں صاحبؒ آگے بڑھے اوران بزرگ سے فرمایا کہ حضرت اجازت ہو تو آج نماز میں پڑھادوں انھوں نے اجازت دے دی اور حضرت میاں صاحب نے نماز استسقاء پڑھادی۔

میرے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ بھی اس واقعے کے راوی ہیں ' فرماتے تھے کہ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ آج میاں صاحب نے بڑا عجیب کام کیا کہ اپنی عادت اور معمول کے خلاف خود درخواست کر کے نماز پڑھائی حضرت میاں صاحب صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے جب نماز پڑھا کر واپس جانے لگے تو ہم بھی ساتھ ہو گئے ' حضرت میاں صاحب کا گھر ذرا فاصلے پر تھا' جب راستے میں کوئی اور ساتھ نہ رہا تو میں نے بے تکلفی میں پوچھا کہ حضرت یہ کیا قصہ تھا ؟ حضرت نے فرمایا کہ بس ایک بات تھی ' یہ کہکر خاموش ہو گئے ' جب تھوڑی دور اور آگے چلے تو میں نے پھر پوچھ لیا کہ حضرت ' قصہ کیا تھا ؟ بتائیں تو سہی ' اس

وقت فرمایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ بارش تو ہونی نہیں ہے، لیکن شہر کے کچھ لوگ ان بزرگ اور عالم کے خلاف ہیں ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہیں، میں نے سوچا کہ تین دن تک نماز استسقاء پڑھانے کے باوجود جب بارش نہیں ہوگی تو مخالفین کو یہ کہنے کا موقع مل جائیگا کہ چونکہ انھوں نے نماز استسقاء پڑھائی ہے، اسلیے ان کی نحوست کی وجہ سے بارش نہیں ہوئی، اور ان کو طعنہ دیں گے۔ اور گالیاں دیں گے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ایک دن میں بھی نماز پڑھادوں، تاکہ جب مخالفین کی طرف سے ان بزرگ کو گالیاں دی جائیں۔ تو ان کے ساتھ گالیاں کھانے میں میں بھی شریک ہو جاؤں۔

اولئك ابائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

آج جن بزرگوں کے ہم نام لیوا ہیں، یہ ایسی عظیم ہستیاں تھیں، جو مستحبات سمیت شریعت کے تمام احکام پر عمل کر کے اس مقام تک پہنچیں ہیں، اس لیے مستحب پر عمل کرنا معمولی چیز نہیں۔

حضور ﷺ کے چار فرائض

یاد رکھیے! نری تعلیم کبھی کافی نہیں ہوتی، حضور اقدس ﷺ صرف معلم نہیں تھے۔ بلکہ مربی یعنی تربیت کرنے والے بھی تھے، قرآن کریم نے آپ کے چار فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ

الکتاب و الحکمۃ﴾ (سورہء آل عمران آیت نمبر ۱۶۴)

"پڑھتا ہے ان پر آیتیں اسکی اور پاک کرتا ہے انکو
(یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھلاتا ہے ان کو
کتاب اور کام کی بات"

پہلا فرض قرآن شریف پڑھ کر سنانا، جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم ہوئی۔ اس میں معانی قرآن کی تعلیم داخل نہیں۔ دوسرا فرض ہے اعمال و اخلاق کا تزکیہ یعنی اُن کی صفائی کرنا، ان کو برے اعمال اور بری عادتوں سے پاک کرنا، یہ تعلیم نہیں بلکہ تربیت ہے اور پھر تیسرا فرض ہے قرآن کریم کے معانی اور اسکے حقائق کی تعلیم دینا۔ اور چوتھا فرض ہے حکمت یعنی سنت کی تعلیم دینا۔

یہاں قرآن حکیم نے تزکیہ یعنی تربیت کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تربیت کو قرآن و سنت کے معانی کی تعلیم پر اہمیت حاصل ہے، اس لیے تربیت کا ذکر ان دونوں چیزوں پر مقدم کیا۔

دار العلوم بھی، دار التربیت بھی

دار العلوم علوم کا گھر تو ہے ہی، لیکن اسکے فرائض منصبی میں داخل ہے کہ یہ دار التربیت بھی ہو۔ جو مدرسہ دار العلوم ہو، اور دار التربیت نہ ہو میرے نزدیک وہ مدرسہ دار العلوم کہلانے کے بھی قابل نہیں، اس لیے کہ ایسا علم جو انسان کے اندر تقوی پیدا نہ کرے، اللہ کا خوف دل میں پیدا نہ کرے، اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کی فکر پیدا نہ کرے، ایسا علم تو شیطان کا علم ہے، علم

کے اندر شیطان کسی سے کم نہیں ہے، آج بھی بے شمار یہودی اور عیسائی ہیں، جن کو ہزاروں احادیث یاد ہیں، اور اسلامی علوم میں ماہر ہیں۔ لیکن ایمان سے محروم ہیں، لہذا یاد رکھیے نرا علم کبھی کافی نہیں ہوتا۔ اسکے ساتھ تربیت ضروری ہے۔ دینی مدارس میں جتنے طلبہ ہیں، انکے طالب علمانہ فرائض میں جس طرح یہ بات داخل ہے کہ وہ تعلیم کے اندر محنت اور کوشش کریں۔ اور اساتذہ کی ہدایات کی پیروی کرنا لازم سمجھیں اسی طرح تربیت کے ہر پہلو میں بھی پوری کوشش کرنا۔ اور اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی ہدایات کے مطابق اپنے اخلاق درست کرنا بھی ان پر لازم ہے، اور تربیت بار بار کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً کوئی غلط عادت پڑی ہوئی ہے، اب آپ نے سن لیا کہ یہ عادت بری ہے، مگر وہ عادت اس وقت تک نہیں چھوٹے گی، جب تک اسکو چھوڑنے کی کوشش نہیں کرو گے، اور اسی کوشش کا نام مجاہدہ ہے، اور مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی اصلاح ہوتی ہے، اور جب آپ بزرگوں کی ہدایات کے مطابق مجاہدہ کریں گے تو انشاء اللہ پھر آپ کے عقائد، آپ کی عبادات، آپ کے معاملات، آپ کی معاشرت اور آپ کے اخلاق، سب عین سنت کے مطابق ہوتے چلے جائیں گے۔

دین کے پانچ شعبے

بعض لوگوں نے دینداری کو صرف عبادات میں منحصر سمجھ رکھا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا دیندار ہے، اس لیے کہ وہ تہجد بہت پڑھتا ہے۔ یا فلاں شخص تلاوت بہت کرتا ہے، یا فلاں شخص تسبیحات بہت پڑھتا

ہے۔بلا شبہ یہ تمام عبادات اپنی اپنی جگہ پر بڑی عظیم عبادات ہیں ،لیکن دین ان میں منحصر نہیں ' اس لیے کہ دین پانچ چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ نمبر ایک عقائد ' نمبر دو ' عبادات ' نمبر تین ' معاملات لین دین ' خرید و فروخت ' اور تجارت و معیشت ' نمبر چار ' معاشرت ' معاشرت کے معنی ہیں ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر زندگی گزارنا ' نمبر پانچ اخلاق ان تمام شعبوں میں شریعت کے احکام پر عمل کرنا دین ہے ' اور اس کے بر خلاف عمل کرنا بے دینی ہے ' لہٰذا جو شخص صرف نماز پڑھ رہا ہے ' روزے رکھتا ہے ' حج اور عمرے کرتا ہے ' مگر تجارت اور معاشرت اخلاق شریعت کے مطابق نہیں' ایسے شخص کو ہم عبادت گزار تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کے بارے میں یہ سمجھنا کہ یہ دیندار ہے ' یہ درست نہیں 'بلکہ دیندار وہ شخص ہے جو دین کے تمام شعبوں پر عمل کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ' اور فرائض کے ساتھ سنتوں اور مستحبات پر بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو راہ مستقیم پر قائم رکھے ' اور ہمارے سب کاموں کو آسان فرمائے۔ (آمین)

﴿واٰخِر دَعْوانا اَنِ الحمدُ للّٰہِ ربّ العلمین﴾

سچ اور جھوٹ

موضوع : سچ اور جھوٹ

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد ناظم اشرف

سچ اور جھوٹ

بِسمِ اللہ الرّحمٰنِ الرّحِیم

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علامہ نوویؒ جو کہ عظیم الشان محدث تھے، انکی ایک کتاب " ریاض الصالحین" بڑی مشہور ہے جس میں احادیث سے پہلے قرآنی آیات عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا جو باب ہم آج شروع کر رہے ہیں وہ "باب الصدق" ہے یعنی سچائی کا باب۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت یہاں ذکر کی گئی ہے۔

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰہَ وَکُوۡنُوا مَعَ الصَّادِقِیۡنَ" (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔"

قرآن کریم کا ایک خاص انداز

قرآن کریم کا ایک خاص انداز ہے کہ قرآن جب کوئی ایسا حکم بتاتا ہے جو بظاہر مشکل نظر آتا ہے تو اس کو آسان کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیتا ہے اور کوئی ایسا حکم دے دیتا ہے جس سے پہلا حکم آسان ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے ایسے ماحول میں جس سے ہم لوگ گزر رہے ہیں جو فسق و فجور میں ڈوبا ہوا ہے۔ گھر سے باہر ہوں تو نا محرم پر نظریں پڑتی ہیں اور گھر میں ہوں تو گانے بجانے کی آوازیں کانوں میں آتی ہیں۔ جس کی وجہ سے دل انکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، تجارت اور کاروبار میں لین دین کے معاملے میں بہت سے ناجائز طریقے چل رہے ہیں۔ لوگوں کو گفتگو میں احتیاط نہیں رہی کہ ہماری زبان سے نکلنے والی بات جائز ہے یا نا جائز؟ کبھی غیبت ہو جاتی ہے تو کبھی بہتان وغیرہ۔ غرضیکہ انسان صبح سے شام تک گناہوں میں ڈوبا رہتا ہے اور ان سب سے اپنے آپکو بچائے رکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ زندگی پل صراط کی طرح ہے کہ جس میں صراطِ مستقیم پر اس طرح سے چلنا کہ گناہ نہ آنکھوں سے ہو اور نہ اعضاء وجوارح سے بہت مشکل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو آسان کرنے کا طریقہ بھی بتادیا کہ تم سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔ اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو رفتہ رفتہ تمھارے اندر تقوی پیدا ہو جائے گا اور خود تمھارا دل گناہوں سے نفرت کرنے لگے گا اور وہ اس طرح کہ شروع میں تو گناہوں سے گھبراہٹ ہو گی پھر وحشت ہونے لگے گی حتی کہ

نفرت پیدا ہو جائے گی تو سچے لوگوں کی صحبت سے یہ نتیجہ اور برکت حاصل ہوئی کہ انسان کے اندر رفتہ رفتہ تقویٰ پیدا ہو گیا۔

سچائی کی اہمیت

اس آیت سے جہاں تقویٰ کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے وہیں سچائی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو رہا ہے کہ جس شخص کے اندر سچائی کی صفت ہو گی اس کی صحبت میں رہنے والوں کے اندر تقویٰ پیدا ہو گا اور سچے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان، عقیدے اور عمل تینوں کے اندر سچے ہوں اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف کتاب پڑھ لینے سے یا وعظ سن لینے سے اگرچہ فائدہ ہوتا ہے لیکن کامل فائدہ اسی وقت حاصل ہو گا جب اللہ والوں کی صحبت میں رہے گا۔ حاصل یہ کہ حصول تقویٰ کے لیے متقیوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔

صحبت کے اثرات ہوتے ہیں

اور یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس ماحول میں رہتا ہے اور جن لوگوں کی صحبت میں اس کے اوقات گزرتے ہیں اس کے اثرات اس شخص کے اعمال و اخلاق اور کردار پر لازمی پڑتے ہیں حتیٰ کہ انسان کے اعمال اور پیشے کے اثرات بھی انسان پر پڑتے ہیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے، بھینس اور خصوصاً اونٹ پالنے والے لوگوں کے مزاج میں سختی پیدا ہو جائے گی اگر وہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے علاج کو استعمال نہ کریں تو ان کے دل میں سختی

پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حق کو دیر سے قبول کرتے ہیں اور بکریوں کو پالنے والے
لوگ نرم دل ہوتے ہیں۔ چونکہ بکری مسکین طبیعت ہوتی ہے اس لیے اس کے
چرانے والے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانوروں کی صحبت کا بھی اثر
ہوتا ہے تو جب جانوروں کی صحبت کے اثرات ہوتے ہیں تو انسانوں کی صحبت کے
اثرات بھی ضرور ہوں گے۔

صحبت سے کیا مراد ہے؟

صحبت سے مراد ساتھ رہنا ہے۔ اور صحبت کا بھی بہت اثر ہوتا
ہے جیسا کہ اُردُو میں مثل مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے
کہ جب ایک خربوزہ پیلا ہو جاتا ہے تو دوسرے بھی پیلے ہونا شروع ہو جاتے ہیں
لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عاقل، بالغ اور تعلیم یافتہ ہیں ہم اچھی بات کو
دیکھ کر اسی کو اپنائیں گے، لوگوں کے اثرات نہیں لیں گے تو سمجھ لیجیے کہ یہ ایک
ایسا دھوکہ ہے کہ جو انسان کی سوچ کے مطابق کبھی پورا نہیں ہوتا اور انسان ماحول
سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا خواہ ارادتاً ہو یا بغیر ارادے کے۔ چنانچہ اگر فاسق و
فاجر کی صحبت اختیار کرے گا تو یہ فسق و فجور اس کے اندر بھی آجائے گا اور اگر پہلے
جھوٹ بولنے کی عادت تھی پھر سچے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو رفتہ رفتہ اسکے
جھوٹ میں کمی آجائے گی۔ معلوم ہوا کہ ایک تو حصول تقویٰ فرض ہے، دوسرے
یہ کہ حصول تقویٰ کے لیے سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے اور تیسری بات یہ کہ
اس سے صدق کی اہمیت واضح ہو گئی۔ کہ یہ ایسی عظیم الشان صفت ہے جو انسان کو

مقتدا اور پیشوا اوراس کے ساتھ رہنے والوں کو متقی بنادیتی ہے۔

اگرانسان جھوٹا ہو تو؟

اور یہ صدق ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اگراس پر جم جائے تو بہت سی برائیاں ویسے ہی چھوٹ جاتی ہیں اور سچے آدمی پر لوگ اعتماد کرتے ہیں، بخلاف جھوٹے شخص کے کہ اس پر لوگ اعتماد نہیں کرتے حتی کہ اس کی قسم کا اعتبار بھی مشکل سے ہوتا ہے اور سچے آدمی کو قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اور جھوٹ ایسی عادت ہے جو انسان کی زبان کو بالکل خراب کر دیتی ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے پوچھا کہ آج کیا تاریخ ہے؟اس نے کہہ دیا کہ آج جولائی کی پہلی تاریخ ہے! تو اگر بتانے والا شخص ایسا ہے کہ جس کو معلوم ہی نہیں کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے یا غلط؟ تو پوچھنے والے کو بھی اطمینان نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا آدمی کسی جگہ ملازم ہے تو وہ اپنے مالک اور افسر کے لیے بالکل بیکار ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ اس کی زبان تو ہے مگر جھوٹی۔ تو یہ ایسے ہی ہوا جیسے ایک گونگا آدمی ہوتا ہے۔ ایک آدمی کو جھوٹ بول کر خیال ہوا کہ اس نے جھوٹ کہا ہے اس نے کہہ دیا کہ میں نے پہلے جھوٹ کہا تھا، اب سچ کہہ رہا ہوں تو سننے والے کو اطمینان نہیں ہوتا کہ اس نے پہلے سچ کہا تھا یا اب؟ تو یہ ایسی خطرناک عادت ہے جو انسان کی قدر و قیمت کو ختم کر دیتی ہے۔ ایک آدمی کسی دفتر یا ادارے میں دیانتداری اور سچائی کے ساتھ کام کرتا ہو تو جب اس کا افسر اسکے عہدے میں ترقی دیتا ہے اس کی وجہ صرف اسکی سچائی کی وجہ سے کاروبار وغیرہ میں ترقی کا ہونا ہے۔ اگر انسان جھوٹا ہو تو اس کو کون

ترقی دے گا؟

مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولیں

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مذاق میں جھوٹ بولنا جائز ہے اور جھوٹ بول دیتے ہیں اور مذاق میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے روزمرہ زندگی میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت ڈال لیتے ہیں حالانکہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ اسی طرح بچوں سے کبھی جھوٹ نہ بولیں بعض لوگ بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں مثلاً اگر والدین باہر جانے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو بچے بھی ضد کرتے ہیں اب اگر وہ آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہے تو اس وقت بھی جھوٹ بول دے گا کہ مجھے باہر کوئی ملنے آیا ہے، میں اس سے مل کر ابھی آرہا ہوں تو ایک، دو دن تک بچہ آپ کے بہلاوے میں آجائیگا۔ لیکن پھر وہ آپکے اس دھوکے میں نہیں آئے گا اور آپ پر کبھی اعتماد نہیں کرے گا چاہے آپ لاکھ قسمیں کھالیں اور اگر آپ کی عادت سچ بولنے کی ہے تو بچہ آپ پر اعتماد کرے گا۔

تجربہ کر کے دیکھ لیجیے

خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ الحمدللہ میرے پوتے، پوتیاں اور نواسے، نواسیاں (اللہ ان کو خوش رکھے) ہماری بات پر اعتماد کرتے ہیں کہ جب ہم انکو کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد دوڑ لگوائیں گے تو وہ ضد نہیں کرتے اب چھوٹے سے ہونے کی وجہ سے ان کو عشاء کا وقت معلوم نہیں اس لیے جب مغرب کا

وقت آتا ہے تو پوچھتے ہیں کہ عشاء کا وقت ہو گیا؟ جب ہم کہتے ہیں ابھی نہیں! تو وہ ضد نہیں کرتے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ جب ہم نے ان سے وعدہ کر لیا ہے تو اس کو ضرور پورا کریں گے۔ چنانچہ الحمدللہ ہم کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرتے اور اس بات کی تاکید میں نے اپنے گھر والوں کو بھی کر رکھی ہے کہ بچوں سے کبھی وعدہ خلافی نہ کرو ورنہ تمھارا اعتماد ان پر سے ختم ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت تم پر مسلط رہیں گے اور رو دھو کر زندگی کو مصیبت بنا دیں گے جبکہ اسلام کی تعلیمات کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو خوشیاں، چین اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

یہ بچوں کی حق تلفی ہے

اگر بچوں کو اپنے ماں، باپ کی زبان پر اعتماد نہیں ہوگا تو وہ کس کی زبان پر اعتماد کریں گے؟ یہ تو بچوں کی حق تلفی ہے اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ جب وہ ایسے ماحول میں پرورش پائیں گے تو خود بھی جھوٹے بنیں گے اور وعدہ خلافی کے عادی ہو جائیں گے۔ جھوٹ کی خاص بات یہ ہے کہ جھوٹا انسان اس خوش فہمی میں ہوتا ہے کہ لوگ اس کے جھوٹ اور دھوکے میں آجائیں گے۔ یاد رکھئے! کہ جس طرح سچے آدمی کی سچائی نہیں چھپتی اس طرح جھوٹے آدمی کا جھوٹ بھی نہیں چھپتا اور جھوٹے آدمی کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ایک سچ کی عادت ہے جس کو انسان اگر اپنا لے تو بہت ساری مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات پا جاتا ہے۔

جھوٹ کی انتہا کر دی

ایک نواب صاحب گپیں بہت ہانکتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں سے کہنے لگے کہ ایک دن میں جنگل میں جارہا تھا تو میں نے سامنے کی سڑک پر چالیس فٹ لمبے اژدھے کو دیکھا جس نے ساری سڑک کو گھیر رکھا تھا۔ تو حاضرین میں سے کچھ لوگ کھنکارنے اور کچھ ہنسنے لگے ،اس پر انھوں نے کہا کہ جب میں اس کے قریب گیا تو وہ پینتیس فٹ کا تھا تو پھر کچھ لوگ کھنکارے ،اس پر انھوں نے کہا کہ جب میں مزید قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ تیس فٹ کا ہے، پھر کچھ لوگوں کے کھنکارنے پر وہ کہنے لگے کہ میں نے اس کو ناپنے کا سوچا تو وہ بیس فٹ کا نکلا، ایک دو آدمی پھر بھی مسکراتے ہی رہے تو انھوں نے کہا کہ اب مسکرانے سے کچھ نہیں ہو سکتا اب تو میں اس کو ناپ چکا۔ حاصل یہ کہ جھوٹ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اور جب ایک مرتبہ ظاہر ہو جائے تو اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ خود میرا اپنا معمول یہی ہے کہ جب کوئی میرے سامنے جھوٹ بولتا ہے تو اس پر برسوں میرا اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور جھوٹ پر مجھے اتنا غصہ آتا ہے، جتنا کسی غلطی پر بھی نہیں آتا، اسی لیے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا ہے کہ اگر غلطی ہو جائے تو اقرار کرلو کیونکہ اس پر ہونے والی ناراضگی تو ختم ہو جائے گی لیکن جھوٹ ایک ناقابل برداشت جرم ہے جسکی وجہ سے میں برسوں تک تم سے کوئی کام نہیں لوں گا اس لیے کہ مجھے تمھاری بات پر اعتماد ہی نہیں رہا۔

ایک نواب صاحب تھے

نوابوں میں یہ عادت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے تو ایسے ہی ایک نواب صاحب تھے جو اپنی مجلس میں جھوٹ بولتے اور شیخیاں بگھارتے تھے اور ایک وکیل کو اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا۔ چونکہ وکیلوں کی تو عادت ہی جھوٹ کو سچ بنانا ہے اسی لیے ان نواب صاحب نے اس وکیل سے کہہ رکھا تھا کہ اگر میں کوئی ایسی جھوٹی بات کہہ دوں جس پر لوگ اعتماد نہ کریں تو تم اس کی کوئی ایسی تاویل اور توجیہ کر دینا کہ جس سے لوگ مطمئن ہو جائیں تو وکیل صاحب تاویلات کے کام پر لگے رہے۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے تو کمال ہی کر دیا، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ مجھے شکار کا اتفاق ہوا مجھے ایک ہرن نظر آیا، اس پر جو میں نے گولی چلائی تو وہ اسکے کھر میں سے ہو کر منہ سے پار ہو گئی۔ حاضرین ایکدوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے تو نواب صاحب کو بھی احساس ہوا کہ میں نے بہت ہی زیادہ جھوٹ بول دیا ہے لہٰذا انھوں نے فوراً اپنے وکیل سے اشاروں کے ذریعے مدد طلب کی تو وکیل صاحب نے تاویل کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت حضور نے ہرن پر فائر کیا تو اس وقت وہ ہرن اپنے کھر سے منہ کو کھجا رہا تھا تو کھر کو لگ کر وہ منہ سے پار ہو گئی۔ یہ سنتے ہی نواب صاحب کی جان میں جان آئی۔ لیکن رات کو وکیل صاحب، نواب صاحب کے پاس استعفیٰ لے کر پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ جنابِ عالی! اب تک تو کام چل رہا تھا لیکن اب آپ اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہو گیا ہے لہٰذا میں معذور ہوں۔

کام کچھ تو تمنا کچھ

حاصل یہ کہ جھوٹ کبھی چھپتا نہیں۔ بہت سے جھوٹے لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ لوگ ان پر اعتماد کریں حالانکہ جھوٹے شخص پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ لیکن اگر آپکی عادت سچ بولنے کی ہے اور آپ پر جو افسر ہے اس کو یقین ہو کہ چاہے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا تو وہ آپکی بات پر بھروسہ کرے گا اور اسی وجہ سے ہماری دنیوی زندگی بھی آسان ہو جائے گی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کسی سے کوئی آدمی ملنے آتا ہے تو بچے کو بھیجتے ہیں کہ دیکھو! کون ہے ؟ جب بچہ آ کر بتاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ان سے کہہ دو کہ ابوّ گھر پر نہیں ہیں اب اگر بچے نے آگے سے جا کر کہہ دیا ابّا جان کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں تو پھر انسان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا تو یہ ایسی خوفناک عادت ہے جو انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔

بچے کے سامنے کبھی جھوٹ نہ بولو

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک خاتون نے اپنے بچے کو بلایا لیکن وہ نہ آیا تو اس عورت نے اپنی مٹھی بند کر کے کہا کہ آؤ تمھیں کھجور دیں گے تو کھجور کے لالچ میں بچہ آ گیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مٹھی کھول کر دکھاؤ ، کھجور ہے بھی کہ نہیں ؟ مٹھی کھول کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ میں کھجور تھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم جھوٹ سے بچ گئیں ورنہ تمھارے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ تم جھوٹا وعدہ کر کے بچے کو بلا رہی ہو لہٰذا

بچے کیساتھ کبھی جھوٹا وعدہ نہ کرنا ۔ حاصل یہ ہوا کہ سچائی ایسی عظیم الشان چیز ہے کہ فاسق و فاجر انسان کو بھی متقی بنا دیتی ہے اور یہ صفت سیکھنے اور حاصل کرنے سے پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقوی اور سچائی عطا فرمائیں۔

سچائی نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"ان الصدق یھدی الی البروان البر
یھدی الی الجنۃ" (بخاری و مسلم)

"کہ سچائی انسان کو نیکی اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔"

معلوم ہوا کہ سچائی ایسی عظیم الشان چیز ہے کہ جب انسان اس کو اختیار کرلیتا ہے تو لا محالہ نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ انسان کی راہنمائی فجور کی طرف کرتا ہے اور فجور و گناہ ، جہنم اور آگ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اور جھوٹا آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا نام کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ سچائی طمانیت ہے یعنی سچے آدمی کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جھوٹ سے بے اطمینانی ہوتی ہے۔ تجربہ کر کے دیکھ لیجیے کہ سچا آدمی ہمیشہ مطمئن ہوتا ہے اور جھوٹے آدمی کو بے قراری اور بے چینی لگی رہتی ہے۔

وسائل کے باوجود اعتماد کیوں نہیں؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدار) دو کام کر لیں ایک تو جھوٹ نہ بولیں اور گول مول بات نہ کریں دوسرے یہ کہ اس چیز کے اندر کوئی عیب ہو تو بیان کر دے تو "بورك له ما في بيعهما" کہ ان کے اس سودے کے اندر اللہ تعالیٰ برکت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اور اگر وہ جھوٹ بولتے ہیں یا عیب کو بیان نہیں کرتے تو ان کے اس معاملے سے برکت کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اس بات کا تجربہ پورا عالمِ اسلام کر رہا ہے۔ ہمارے پاس پورے ملک میں اسباب، صنعتیں، پیداواریں، معدنی پیداواریں، کارخانے، تجارت اور وسائل تمام چیزیں بے حد و حساب ہیں لیکن ہماری قومی تجارت میں برکت نہیں نیز ہماری تجارت پست سے پست ہوتی جارہی ہے، ہماری مصنوعات پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا اور دوسرے ممالک کے لوگ ہم سے تجارت کرنے کو تیار نہیں۔ ہاں کافروں کے ملکوں سے تجارت کر لیتے ہیں کیونکہ ان کو اعتماد ہے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولیں گے۔

ہندو بھی مسلمانوں پر تعجب کرتے تھے

مجھے یاد ہے کہ جب ہم ہندوستان میں دیوبند کے علاقے میں رہتے تھے (جب ہم پاکستان آئے تھے تو اس وقت میری عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہو گی) تو وہاں ہندوؤں کی اتنی ہی تعداد تھی جتنی مسلمانوں کی تھی اور پوری بستی دو

حصوں میں تقسیم تھی۔ایک حصے میں ہندو اور دوسرے حصے میں مسلمان رہتے تھے۔ایک بازار کے اندر اکثر دوکانیں تو ہندوؤں کی تھیں لیکن کچھ مسلمانوں کی بھی تھیں اور ایک خالص مسلمانوں کا بازار تھا جسکو اسلامی بازار کہتے ہیں۔ تو جس بازار میں مشترکہ دوکانیں تھیں اس میں ہمیں بھی جانا پڑتا تھا تو ہم یہ سنتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان جھوٹ بول دیتا تو ایک ہندو کہتا کہ توبہ توبہ، رام رام تو مسلمان ہو کر جھوٹ بولتا ہے یعنی تعجب کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہو کر جھوٹ بول رہا ہے، اب آپ خود ہی عقل سے فیصلہ کر کے بتائیں کہ ایک طرف اسلام جیسا عظیم الشان مذہب ہے اور دوسری طرف اس کے پیروکار ہیں۔

مغربی ممالک نے ہماری تجارت کا طریقہ اپنا کر ترقی کی ہے

جنوبی افریقہ میں میرا ایک بہت بڑی سیلوں کی دوکان پر جانا ہوا (جو گھڑی اور بیٹری وغیرہ میں ڈالے جاتے ہیں) ایک پیکٹ کے اندر چار سیل تھے اور اس پر قیمت بھی لکھی ہوئی تھی تو جو میرے دوست تھے، میں نے ان سے کہا کہ ان میں جو سب سے زیادہ پائیدار ہو وہ خرید لو چاہے زیادہ قیمت ہی کے ہوں۔ تو وہ ایک پیکٹ دکھا کر کہنے لگے کہ یہ زیادہ پائیدار ہے! میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ زیادہ پائیدار ہے؟ کیا آپ نے اس کا تجربہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ نہیں! بلکہ بات یہ ہے کہ کمپنی والے نے اس پر لکھ رکھا ہے کہ یہ زیادہ پائیدار ہے اس لیے یہ زیادہ پائیدار ہے اور وہ شخص بالکل مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن اگر آپ پاکستان کے کسی شہر میں جا کر کسی دوکاندار سے پوچھیں کہ کونسا

زیادہ پائیدار ہے ؟اس کے کہنے کے باوجود آپکو اس کی بات پر اعتبار نہیں ہو گا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہاں جھوٹ کا رواج ہے اور وہ لوگ کافر ہیں لیکن جھوٹ نہیں بولتے اس لیے کہ ان کو تجارت کرنی آتی ہے اور ہم لوگ تجارت کرنا بھی بھول گئے۔

تجارت کا سب سے پہلا اصول سچائی ہے

انھیں معلوم ہے کہ تجارت کا پہلا اصول سچائی ہے۔ جھوٹے دوکاندار پر گاہک کبھی اعتماد نہیں کرتا چاہے وہ قسمیں کھائے یا اُلٹا لٹک جائے اس لیے کہ گاہک تو تاجر کی سچائی دیکھتا ہے۔

بہت برس پہلے کی بات ہے کہ نیو ٹاؤن کے پاس ایک پھل فروش ہوتا تھا، اگر ہم نے پھل خریدنا ہوتا تو چاہے ہم اس سے کتنے ہی دور ہوتے لیکن گاڑی کا پیٹرول اور وقت خرچ کر کے اسی کے پاس جاتے اس لیے کہ اس کے بارے میں ہمیں معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حتیٰ کہ اس سے بھاؤ کے بارے میں کمی نہیں کروانی پڑتی تھی اس لیے کہ وہ مناسب قیمت لگاتا تھا اور عیب زدہ چیزوں کی نشاندہی بھی کر دیتا تھا۔ اس کے بعد اسے ترقی ہو گئی اور وہ بڑے درجے پر پہنچ گیا۔ اب ہم بڑے پریشان ہوئے لیکن الحمدللہ گلشن اقبال میں ایک اور پھل فروش مل گیا جس کے پاس دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ تو لوگ دور دور سے اپنے پیسے خرچ کر کے اس لیے آتے ہیں کہ ان کو اس کی سچائی کے بارے میں علم ہے اور یہاں لوگ بیکار پھرتے رہتے ہیں کہ صاحب! ملازمت

نہیں مل رہی لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جھوٹے آدمی کو ملازمت کیسے ملے ؟ کون اس کو ملازم رکھے گا اور کون اس سے تجارت کرے گا ؟ کیونکہ اس شخص نے تو خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رکھی ہے۔ لہٰذا عہد کر لیجیے کہ کسی بھی صورت میں جھوٹ نہیں بولیں گے اور کسی کے سامنے نہیں بولیں گے اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیں۔

سچ نجات کا ذریعہ ہے اور جھوٹ ہلاکت کا

آنحضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے

"الصدق يُنجِي والكذب يهلك"

"سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے"

جس سے معلوم ہوا کہ سچ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ سچ بولنے میں نجات ہے اور جھوٹ بولنے میں ہلاکت ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے وقتی مفاد کی خاطر جھوٹ بولتا ہے تو بظاہر وقتی طور پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں دھوکہ دے کر کامیاب ہو گیا ہوں، جبکہ یہ اس کا دھوکہ ہے، وہ خود اس جھوٹ کی وجہ سے مزید جھوٹ بولے گا اور ہلاکتوں میں پڑے گا۔

جھوٹوں پر خدا کی لعنت

خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

"لعنة اللّٰه على الكٰذِبِينَ"

”جھوٹوں پر خُدا کی لعنت“

یہ جھوٹ ایسا مہلک مرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ لعنت کا مطلب ہے ”رحمت سے دوری“ اور رحمت سے دوری ہونا بہت خطرناک بات ہے۔ اسی کو قرآن میں فرمایا گیا کہ جھوٹ بولنے والوں پر خُدا کی لعنت ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں جھوٹ کی بیماری سے محفوظ رکھے اور ہر ہر موقع پر سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے ، آمین!

”و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العٰلمین“

توبہ کی حقیقت و اہمیّت

موضوع : توبہ کی حقیقت واہمیت
تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف

توبہ کی حقیقت واہمیت

بعد از خطبہ مسنونہ! اما بعد

ہم نے علامہ نوویؒ کی مشہور کتاب ”ریاض الصالحین“ کا ایک باب ”باب التوبہ“ کے نام سے شروع کیا ہے جس میں توبہ کا بیان ہے۔

اس بات کو سمجھ لیجئے کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ میں اللہ کے راستے پر چلوں تاکہ اپنے اعمال، اخلاق و کردار اور عقائد کی اصلاح کروں تو ایسے شخص کے لئے سب سے پہلا سبق ”توبہ“ ہے کہ توبہ کرنے کے وقت تک جتنے گناہ کئے ہیں ان سب سے رک جانے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کر لے۔ اگر ایک آدمی ستر سال تک کفر و بت پرستی میں لگا رہا اس کے بعد توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا تو ایسا شخص توبہ کرنے کی وجہ سے ایسا پاک صاف ہو گیا اور اس کے گناہ ایسے معاف ہو گئے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور یاد رکھیں! کہ توبہ

فرض اور واجب کا درجہ رکھتی ہے، جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا، وہ گناہوں میں مزید غرق ہوتا چلا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی تین شرطیں ہیں :

۱۔ کسی آدمی کو گناہ کرتے وقت توبہ کا خیال آیا تو فوراً اس کو چھوڑ دے، مثلاً ٹی۔ وی دیکھ رہا تھا، اچانک توبہ کا خیال آیا تو فوراً اس کو چھوڑ دے اور وہاں سے ہٹ جائے، یا مثلاً غیبت کر رہا تھا تو خیال آنے پر فوراً اپنی زبان کو روک لے اور اس کو چھوڑ دے۔

۲۔ اس گناہ پر اللہ کے سامنے شرمندگی ہو، اور دل میں ندامت پیدا ہو جائے۔

۳۔ آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم کر لے۔

جب یہ تینوں شرطیں پائی گئیں تو، توبہ کامل سمجھی جائے گی اور جس گناہ سے توبہ کی جارہی ہے وہ گناہ حدیث شریف اور قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق، انسان کے نامہ اعمال سے مٹادیا جاتا ہے، اور توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں تھا۔

اگر کوئی شخص اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اس کے سارے گناہ مٹادیئے جائیں گے اور اگر کسی خاص گناہ سے توبہ کی تو وہ خاص عمل ہی اس کے نامہ اعمال سے مٹایا جائے گا۔ لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن حکیم میں تو

ارشاد ہے۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهٗ وَمَنْ
يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال آیت نمبر ۷۔۸)

خوب سمجھ لیں کہ اگر وہ گناہ دکھایا گیا تو ساتھ میں وہ توبہ بھی دکھائی جائے گی ۔ جو اس گناہ کو مٹانے والی ہو گی یعنی اس دکھانے کی وجہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گا کہ اس کا کیا ہوا گناہ ختم ہو چکا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

﴿التائب من الذنب كمن لا ذنب له﴾

" کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے گویا
کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں" (ابن ماجہ اور بیہقی)

حقوق کی دو قسمیں اور اس سے متعلق توبہ کے احکام

یہ جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس صورت میں ہے کہ جب گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں ، اور اگر وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوں تو اس میں ایک اور شرط بھی ہے کہ جس بندے کو نقصان پہنچا ہے اس سے معافی مانگے۔ مثلاً کسی کی غیبت اور چغلی کر رہا تھا یا کسی سے لڑ رہا تھا یا کسی پر تہمت لگا رہا تھا تو پہلی تین شرطوں کے ساتھ ساتھ اس شرط کو بھی پورا کرنا ہو گا کہ جس طریقے سے بھی ہو اس سے معافی مانگے ، اور صرف معافی مانگنا بھی کافی نہیں بلکہ اس بات کا اطمینان بھی کر لے کہ اس نے واقعی معاف کر دیا ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور

اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی، اس کے بعد اس کے مانگنے کے باوجود آپ اس کے وہ پیسے نہیں دیتے، اس کے بعد آپ کو گناہ کا احساس ہوا اور توبہ کرلی جس کی وجہ سے آپ نے انکار کرنا تو چھوڑ دیا لیکن ابھی پیسے ادا نہیں کئے تو یہ توبہ کامل نہیں کیونکہ اس کا حق ادا کرنا باقی ہے۔ اور اگر آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو آپ اس کے پاس جاکر اس کی خوشامد کریں کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں یا تو تم مجھے معاف کردو یا پھر مجھے مہلت دے دو! غرضیکہ جب تک حق والا معاف نہیں کرے گا اس وقت تک وہ حق معاف نہیں ہوسکتا۔

حاصل یہ ہوا کہ اگر گناہ حقوق اللہ میں سے ہو تو ان تین شرطوں پر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتے ہیں اور اگر گناہ حقوق العباد میں ہو تو پھر اس کے لئے چار شرائط ہیں اور یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کے معاملے میں توبہ کرنا آسان ہے مثلاً آپ نمازوں کو قضا کر کے پڑھتے رہے، جس کی وجہ سے گناہ ہوتا رہا تو آپ جس وقت چاہیں توبہ کر کے سارا حساب صاف کرا سکتے ہیں اور آئندہ یہ آپ کا عمل ہے کہ اگر اس پر قائم رہے تو ٹھیک ورنہ پھر توبہ کرنی پڑے گی۔

حقوق العباد میں توبہ مشکل ہے

جب کہ حقوق العباد میں توبہ کرنا مشکل ہے، جب تک وہ معاف نہ کرے، توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مثلاً آپ کسی کی غیبت کر رہے تھے پھر آپ کو اس کے گناہ ہونے کا خیال آیا کہ اس کی حق تلفی ہو رہی ہے تو آپ نے اس کو فوراً چھوڑ بھی دیا، دل میں ندامت بھی پیدا ہوگئی اور آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا

عزم بھی کر لیا لیکن ان تمام کاموں کے باوجود جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معافی بھی مانگنی پڑے گی۔ اور اگر آج آپ نے معاف نہ کروایا تو کچھ معلوم نہیں کہ وہ آخرت میں معاف کرے گا یا نہیں، وہاں معافی کے معاملے میں فراخ دلی سے کوئی کام نہیں لے گا کیونکہ ہر ایک کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

ایک شخص کا عبرتناک انجام

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص آئے گا کہ جس نے دنیا میں بہت عبادتیں مثلاً نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، جہاد، تعلیم و تعلم اور بہت نیک کام کئے تھے۔ وہ شخص اس بات پر بہت خوش ہو گا کہ میرے پاس تو اعمال کے انبار ہیں اس لئے جب وزن ہو گا تو میں اس آزمائش میں کامیاب ہو جاؤں گا اور مجھے جنت مل جائے گی، لیکن جب اعمال کا وزن ہونے لگے گا تو طرح طرح کے حقدار آئیں گے، مثلاً کوئی آکر کہے گا کہ اس نے دنیا میں میری غیبت کی تھی لہٰذا مجھے اس کا حق دلوایا جائے، کوئی کہے گا کہ اس نے مجھے گالی دی تھی لہٰذا مجھے اس کا بدلہ دلوایا جائے، کوئی کہے گا کہ اس نے مجھے ناحق مارا تھا لہٰذا مجھے اس کا بدلہ دلوایا جائے، کوئی کہے گا کہ اس نے مجھ پر تہمت لگائی تھی لہٰذا مجھے اس کا حق دلوایا جائے۔ غرضیکہ طرح طرح کے حقوق اس کے ذمے ہوں گے، چونکہ وہاں انصاف ہو گا اس لئے ہر حقدار کو اس کا حق دلوایا جائے گا، چنانچہ حکم ہو گا کہ حقداروں کے حق کے مطابق اس کی نیکیاں ان میں تقسیم کر دی جائیں،

چنانچہ اس کے اعمال تقسیم ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ ختم ہو جائیں گے، اس کے باوجود بھی حقدار آتے رہیں گے مثلاً بہنیں آکر کہیں گی کہ اس نے میراث میں ہمارا حق نہیں دیا تھا، باپ آکر کہے گا کہ میرے اس بیٹے نے میری شان میں گستاخیاں کی تھیں، وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کے نیک اعمال تو ختم ہو چکے ہوں گے اس لئے حکم ہو گا کہ ان حقداروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں جمع کر دو، نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تو نیکیوں کے انبار لایا تھا لیکن اب اس کے پاس گناہوں کے انبار رہ جائیں گے اور نیکیاں تقسیم کر دی جائیں گی۔

غرض حقوق العباد میں کوتاہی کرنا بڑی خطرناک بات ہے اس کی توبہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جس حقدار کا حق مارا گیا ہے اس سے معافی مانگی جائے اور وہ معاف کر دے۔

دنیا کی سخاوت آخرت میں نہیں چل سکتی

میں نے یہ واقعہ اپنے ایک بزرگ سے سنا کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص آئے گا، جس کے پاس بہت ساری نیکیاں ہوں گی، جب اعمال کا وزن ہو گا تو وہ اس طریقے سے ہو گا کہ ایک پلڑے میں نیک اعمال ہوں گے اور دوسرے میں گناہ ہوں گے، اور وہاں کا قانون یہ ہو گا کہ جس کے نیک اعمال کا پلڑا جھک جائے گا اس کی بخشش ہو جائے گی۔ جب اس شخص کے اعمال کا وزن ہو گا تو اس کے نیک اعمال کا پلڑا تھوڑا سا اونچا رہ جائے گا اور گناہوں کا پلڑا تھوڑا سا بھاری ہو جائے گا

فرشتے کہیں گے کہ تمہیں بس ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ اگر تم کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو تمہارے نیک اعمال کا پلڑا جھک جائے گا اور تمہاری بخشش ہو جائے گی۔ اب یہ شخص بڑا خوش ہو گا کہ صرف ایک ہی نیکی کا معاملہ ہے اور یہ تو بہت آسان ہے کسی بھی حافظ قرآن سے مانگ لوں گا کہ اس نے دنیا میں کتنی مرتبہ قرآن پڑھ پڑھ کر ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں حاصل کی ہوں گی تو وہ ایک نیکی مجھے دے ہی دے گا، یا کسی دیندار آدمی سے مانگ لوں گا، لہٰذا یہ شخص اپنے دوست کے پاس جا کر اس سے ایک نیکی کا سوال کرے گا وہ کہے گا کہ یہ سخاوت دنیا ہی میں چلتی تھی، یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ ہمیں بھی اپنا حساب دینا ہے، اگر میرے نامہ اعمال میں ایک نیکی کی کمی رہ گئی تو پھر میں کیا کروں گا؟ یہ ناامید ہو کر بھائی کے پاس آئے گا، وہ بھی انکار کر دے گا، پھر یہ شخص اپنے باپ کے پاس جائے گا کہ دنیا میں میرا سب سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار میرا باپ تھا اس لئے وہ مجھے ضرور دے دے گا لیکن باپ بھی صاف انکار کر دے گا، غرضیکہ سب انکار کر دیں گے، آخر میں وہ اپنی ماں کے پاس آئے گا کہ ماں کی ذات ایسی ہے کہ اس کی ماتا مجھے جہنم میں جلتے ہوئے برداشت نہیں کرے گی کیونکہ اس نے راتوں کو جاگ جاگ کر اور مشقتیں جھیل جھیل کر مجھے پالا تھا لہٰذا وہ تو مجھے ایک نیکی ضرور دے دے گی۔

اسی سوچ کی بناء پر وہ ماں سے درخواست کرے گا تو ماں جواب دے گی کہ بیٹا! دنیا میں جو کچھ میں دے سکتی تھی، وہ میں دے چکی اور یہاں تو مجھے خود اپنی جان کی فکر ہے کیونکہ اگر میرے نامہ اعمال میں ایک نیکی کی کمی نکل آئی تو میں وہ کیسے پوری کروں گی؟

قیامت میں بھی سخی ہوں گے

اب یہ شخص ہر طرف سے مایوس ہو جائے گا، ایک آدمی اس کو بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہو گا کہ یہ بڑا پریشان ہے تو وہ اس کو بلا کر اس سے پوچھے گا کہ بھئی! کیا بات ہے؟ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ وہ ساری بات بتائے گا تو وہ بیٹھا ہوا آدمی کہے گا کہ عجیب بات ہے تمہیں تو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے اور میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس نیکی ہی صرف ایک ہے اور باقی سب گناہ ہیں، جب تمہاری اتنی نیکیوں کے باوجود صرف ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے بخشش نہیں ہو رہی تو میری اکیلی نیکی کیا کرے گی؟ لہٰذا یہ بھی تم لے لو تاکہ تمہارے کام آجائے اور تمہاری جان بخشی ہو جائے۔ یہ شخص خوشی خوشی اس نیکی کو لے جا کر اپنے نیک اعمال کے پلڑے میں ڈالے گا جس کی وجہ سے پلڑا جھک جائے گا اور اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہو گا لیکن وہ فرشتوں اور بندوں کو دکھانے کے لئے پوچھیں گے کہ تم یہ نیکی کہاں سے لائے ہو؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ! فلاں شخص نے دی ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ تو بڑا سخی آدمی ہے، ذرا اس کو بلاؤ تو سہی! جب وہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تمہارے اندر ایسی سخاوت کہاں سے آگئی تم نے آج کے دن اپنی نیکی دے دی؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ! مجھے معلوم تھا کہ یہ اکیلی نیکی میرے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے میں نے سوچا کہ میں اپنے بھائی کو ہی دے دوں تاکہ اس کے کام آجائے! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے اپنے بھائی کا کام بنایا ہے جا میں نے تیری بھی بخشش کر دی چنانچہ اس کی بھی بخشش ہو جائے گی۔

اس بھروسے میں نہ رہیں کہ آخرت میں معاف کروالیں گے

لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نیکی کی بخشش کس طرح ملی؟ اس لئے اس بھروسے میں نہ رہیں کہ آخرت میں معاف کروالیں گے بلکہ جس طریقے سے بھی ممکن ہو دنیا ہی میں معاف کروالیں، حتی کہ اگر اپنے سے چھوٹے کا حق غصب کیا ہے تو اس سے بھی معاف کروائیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر اللہ کے حقوق سے متعلق کوئی گناہ ہوا ہے تو اس میں تین شرطیں ہیں اور اگر بندوں کے حقوق سے متعلق کوئی گناہ ہوا ہے تو اس میں چار شرطیں ہیں۔

حقوق العباد سے متعلق ایک خطرناک صورت

اب سوال یہ ہے کہ بندوں کے حقوق سے متعلق کوئی گناہ ہوا اور حقدار مر گیا جو کہ بڑی خطرناک صورت ہے تو اس صورت میں معافی کیسے کروائی جائے؟

تو ایک حد تک اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ حق مال کا تھا مثلاً اس کا آپ کے ذمے کچھ قرض تھا جو آپ نے نہیں ادا کیا، یا کسی شخص نے کسی کے مال کی چوری کرلی اور مال والا مر گیا تو چونکہ مر جانے کی وجہ سے نہ اس سے معاف کروایا جا سکتا ہے اور نہ اسکو دیا جا سکتا ہے، اس لئے اب اس کے وارثوں کو ڈھونڈو اور ان کو وہ مال دے دو اور ان کو بتا دو کہ تمہارے فلاں مورث کا انتقال ہو گیا ہے، اس کا میرے ذمے کچھ قرض تھا وہ میں تم کو دے رہا ہوں۔

حقوق العباد میں ادائیگی یا معافی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں

میرے ایک دوست ہیں جو کراچی میں ایک بڑے عہدے پر رہ چکے ہیں۔ جب کہ اس سے پہلے مختلف سرکاری عہدوں پر بھی رہ چکے تھے جب وہ بہت بڑے عہدے پر فائز ہو گئے تو ان کا بیٹا ایک دن تنہائی میں مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ آپ ذرا ابا جان کو سمجھائیں کہ جب تک وہ اس عہدے پر نہیں تھے، اس وقت تک ان کے پاس تحفے نہیں آتے تھے لیکن جب سے وہ اس عہدے پر آئے ہیں اس وقت سے تحفوں کی لائن لگی ہوئی ہے اور ہر روز قیمتی تحفے آرہے ہیں اور ابا جان ان کو تحفہ ہی سمجھ رہے ہیں، لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ تحفہ ہے یا رشوت؟ میں نے ان کو یہ مسئلہ بتایا کہ حدیث شریف میں ہے جو تحفہ عہدے کی وجہ سے ملے وہ رشوت ہے اور حرام ہے۔

تو وہ نوجوان بیٹا مجھے کہنے لگا کہ آپ ابا جان کو سمجھادیں کہ وہ اپنے آپ کو اس گناہ سے بچائیں۔ چونکہ وہ بڑے عہدے پر تھے اس لئے ان سے ملاقاتیں بھی کم ہی ہوئیں لیکن کچھ عرصے بعد جب وہ اس عہدے سے ہٹے تو پھر ملاقاتیں زیادہ ہونے لگیں، میں اس تاک میں تھا کہ کسی مناسب موقع پر ان سے بات کروں گا چنانچہ میں نے ان کے بیٹے کے ذکر کے بغیر ہی ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس تحفے تو آئے ہوں گے؟ کہنے لگے کہ ہاں! بہت زیادہ آئے، تو میں نے کہا یہ تو سب رشوت ہے اور ان کو مسئلہ بھی بتایا تو وہ بڑے پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اب کیا کروں؟ میں نے کہا کہ اپنی یاد کے مطابق جس جس سے تحفہ لیا ہے اس کو واپس کر دیں کہ اس کے بغیر نجات کا راستہ نہیں ہے کیونکہ یہ حقوق العباد میں

ہے! اللہ تعالیٰ اس شخص کو جزائے خیر دے اور اس کے درجات بلند فرمائے کہ اس نے ریٹائر ہونے کے بعد وہ تحفے ان لوگوں کے گھروں میں جا کر واپس کئے اور اگر کسی تحفہ کی چیز کو خرچ کر لیا تھا تو اس کی قیمت واپس کی، اور اگر صاحب حق کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کے وارثوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تحفے واپس کئے، چنانچہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

حاصل یہ کہ بندوں کے حقوق میں ادائیگی یا معافی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر وہ حق مال کا نہ ہو اور صاحب حق مر جائے تو اس کے وارثوں سے معاف کروالینا چاہئے اور حقدار کی مغفرت کی دعا بھی کرتا رہے اور صدقہ و خیرات کر کے ایصال ثواب بھی کرے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔

اگر حقدار مر جائے تو؟

اسی طرح کوئی اور گناہ مثلاً غیبت، چغلی، جھوٹ وغیرہ بولا تھا اور جس شخص کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا وہ مر گیا تو اب اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس کی مغفرت کی دعا کرتا رہے اور اس کے وارثوں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کرے، ایصال ثواب کرے اور یہ دعا بھی کرے کہ یا اللہ! میں نے اس کی حق تلفی کی تھی، اب میں توبہ کرتا ہوں آپ بھی مجھے معاف فرما دیجئے۔ اسی طرح کسی کے والدین کا انتقال ہو گیا اور اب اس کو یہ خیال آرہا ہے کہ اس نے اپنے والدین کی بہت حق تلفیاں کی تھیں تو وہ اللہ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں نے

اپنے والدین کی بہت حق تلفی کی آپ بھی مجھے معاف فرما دیجئے اور ان سے بھی معاف کروا کر اس کا اجر اپنے پاس سے عطا فرما دیجئے۔ تو اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ اس گناہ سے بھی نجات ہو جائے گی۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین)

حاصل یہ ہوا کہ اگر گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہو تو توبہ کے لئے تین شرائط ہیں اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہو تو پھر چار شرائط ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق سے متعلق گناہ کا زیادہ خطرناک معاملہ ہے کیونکہ اللہ تو غنی ہیں، وہ معاف کر دیں گے لیکن بندہ ایسا غنی نہیں ہے اور وہ آسانی سے معاف نہیں کرتا، اس لئے ان تین شرائط کے ساتھ چوتھی شرط کا بھی اضافہ کیا گیا کیونکہ اگر اس نے معاف نہ کیا تو وہ آخرت میں وصول کرلے گا چاہے اس کی نیکیاں لے کر وصول کرے یا نیکیاں نہ ہونے کی صورت میں اپنے گناہ اس پر لاد کر وصول کرے جیسا کہ پیچھے اس کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ اس لئے دنیا ہی میں معاف کرالینا بہت آسان ہے۔

حق معاف کروانے کے مختلف طریقے

حق معاف کرانے کے بھی مختلف طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً آپ نے کسی کی غیبت کی لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تو اس سے معاف کرانے کا معاملہ بڑا مشکل ہے، کیونکہ ابھی تک تو اس کو بات کا علم نہیں تھا لیکن جب آپ اس کو بتائیں گے تو خطرہ ہے کہ اس کے دل میں رنجش پیدا ہو جائے گی، اس لئے

بزرگوں کے طریقے کے مطابق عمل کرنے میں آسانی ہو گی۔ چنانچہ اس مسئلے کا حل بزرگوں نے یہ بتایا ہے کہ جس شخص کی آپ نے غیبت کی ہے، اس کی کچھ خوبیاں ذکر کریں کیونکہ ہر شخص کے اندر عیب کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ خوبیاں ضروری ہوتی ہیں اس لئے توبہ کی تین شرائط کے ساتھ اس کو بھی پورا کریں اور ان سے محبت سے ملیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ ان کو یہ بتائیں کہ میں نے آپ کی غیبت کی تھی بلکہ ان سے یوں کہیں کہ میری دانست میں مجھ سے آپ کے حق میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہے اور اس کو بتانا میرے لئے مشکل ہے اس لئے آپ سے یہ درخواست ہے کہ خدا کے لئے آپ مجھے معاف کر دیں، اگرچہ یہ میری غلطی ہے لیکن میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ تو اس طریقے سے معافی کروانے میں انشاء اللہ آسانی ہو گی کیونکہ یہ بزرگوں کی تعلیم کے مطابق واقعتاً ایک آسان راستہ ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کا مشورہ

اس وقت میرے سامنے اس کی نظیر حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مشورہ ہے جو اگرچہ غیبت سے متعلق نہیں لیکن بندے کے حق سے ضرور متعلق ہے۔ وہ یہ کہ ہمارا ایک خادم حضرت والد صاحبؒ کے زمانے سے اب تک ہے لیکن اب وہ کسی اور جگہ ہے اور اس کے باوجود اسے ہم سے بڑی محبت ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے۔ ایک مرتبہ اس خادم نے ایک غلطی کی اور بار بار کی تو میں نے اس کو بہت زیادہ ڈانٹا، اتنا زیادہ کہ وہ رونے

لگا۔بعد میں مجھے خیال آیا کہ اس کی غلطی اتنی شدید نہیں تھی جتنا میں نے اس کو ڈانٹا
ہے، اگر میں اس سے کم ڈانٹتا تو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے کافی تھا، تو میرے
دل میں بے چینی ہوئی کہ میں نے اس کو دوسروں کے سامنے ڈانٹا ہے اس لئے اس
کا دل ضرور ٹوٹا ہوگا لیکن یہ غریب اور خادم ہونے کی وجہ سے میرے سامنے بول
نہیں سکتا۔ میں نے حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ
ایسا واقعہ پیش آیا ہے اور میرا دل بہت بے چین ہے، اب میں کیا کروں ؟ کیا اس
سے معافی مانگ لوں ؟ تو فرمانے لگے کہ اگر تم اس سے زبانی معافی مانگو گے تو یہ اور
جری ہو جائے گا اور آئندہ اس قسم کی غلطیاں اور زیادہ کرے گا جس کی وجہ سے
مدرسہ کا نظم خراب ہو جائے گا، اس لئے تم اس سے زبانی معافی مانگنے کی بجائے اس
کو کسی طریقے سے معافی کا لفظ بولے بغیر خوش کر دو! مثلاً اس نے کوئی اچھا کام کیا
ہو تو دوسروں کے سامنے اس کی تعریف کر دو اور اس کو اپنے پاس سے کوئی انعام
دے دو لیکن وہ پیسے مدرسے کے نہ ہوں بلکہ اپنی جیب سے دو جس کی وجہ سے وہ
خوش ہو جائے گا اور تمہاری معافی ہو جائے گی۔ چنانچہ جب میں نے ایسا کیا تو وہ
خوش ہو گیا۔ الحمد اللہ اب ہماری آپس میں ایسی محبت ہے جیسی بھائیوں میں ہوتی
ہے چنانچہ جب ہم اس جگہ جاتے ہیں، جہاں وہ رہتا ہے تو ہمارے وہاں پہنچنے پر وہ
ہماری بے انتہا خدمت کرتا ہے، جو اس کی شرافت ہے اس لئے کہ وہ پہلے ملازم تھا
لیکن اب اس کا اپنا کاروبار ہے اور وہ مالدار آدمی ہے۔ لیکن ہمارے جانے پر وہ اپنے
سارے کام چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس شہر میں کسی ضرورت کی وجہ
سے میرا ایک ہفتہ وہاں قیام ہوا تو ایک دن کے لئے اس کو اپنی خانگی ضرورت کے
لئے کہیں جانے کی حاجت پیش آئی اس لئے وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کے

موجود ہوتے ہوئے میرا دل تو جانے کو نہیں کہتا لیکن اب ضرورت پیش آگئی ہے جس کی وجہ سے جانا پڑ رہا ہے، مگر یہ بات بھی ہے کہ جب آپ یہاں ہوتے ہیں تو میں اپنے آپ کو ڈیوٹی پر سمجھتا ہوں۔ اس لئے اگر آپ اجازت دیں گے تو میں جاؤں گا ورنہ نہیں جاؤں گا۔ تو اس کی اس شرافت کی وجہ سے محبتیں پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ اسی طرح اگر اللہ رب العزت کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے اور بندہ توبہ کر لیتا ہے تو بعض اوقات اللہ سے اس کا قرب پہلے سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندے سے بہت راضی ہوتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وضو کے بعد پڑھنے کے لئے ایک دعا سکھائی ہے جو یہ ہے۔

﴿اللهم اجعلني من التوابين و اجعلني من المتطهرين﴾

"کہ اے اللہ! مجھے بکثرت توبہ کرنے والوں میں سے بنا دے اور مجھے پاک صاف لوگوں میں سے کر دے" (نسائی عن ابی موسیٰ اشعریؓ)

اس لئے کہ گناہ کے باوجود جب انسان توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن شرط یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کرے۔

قرآن حکیم میں توبہ کا حکم

قرآن حکیم میں توبہ کا حکم یوں دیا گیا کہ

﴿تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُوْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(سورہ النور آیت نمبر ۳۱)

''یعنی اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کیا کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو''

ہم میں سے ہر شخص سے کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہی ہے کیونکہ کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ البتہ کسی سے کم ہوتے ہیں اور کسی سے زیادہ، اور ان تمام میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا جب گناہ ہو جائے تو انہی تین یا چار شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے فوراً توبہ کریں۔

سورہ التحریم میں ارشاد ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (سورہ التحریم آیت نمبر ۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص اور پکی توبہ کرو''

یعنی ایسی توبہ مقصود ہے جس کے اندر اخلاص ہو اور پختگی ہو

چنانچہ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باوجود گناہوں سے معصوم ہونے کے دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کس چیز سے توبہ فرماتے تھے؟

اب یہ سوال کہ جب آپ ﷺ گناہ نہیں کرتے تھے تو توبہ کس چیز سے کرتے تھے؟ تو خوب سمجھ لیں کہ اس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ جب اللہ کی محبوب ترین ذات اور ایسا جلیل القدر پیغمبر دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہے تو ہمیں تو اس سے بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

۲۔ آپ ﷺ توبہ و استغفار گناہوں سے نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ جتنے نیک اعمال اور جتنا تقوی اختیار کرتے تھے وہ تو مثالی ہے لیکن یہ بھی وارد ہے کہ دعاؤں میں کثرت کے ساتھ یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم نے آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کیا جیسا کہ اس کا حق تھا اور ایسی معرفت حاصل نہیں کی جیسا کہ اس کا حق تھا اور ایسا تقوی اختیار نہیں کیا جیسا کہ اس کا حق تھا چنانچہ اس حق کی کمی پر ہم معافی مانگتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ :-

﴿ یاایھا الناس توبوا الی اللہ واستغفروہ فانی اتوب فی الیوم مائة مرة﴾ (رواہ مسلم)

”اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور اس سے معافی مانگو اس لئے کہ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں“

گزشتہ حدیث میں عدد متعین نہ تھا لیکن اس حدیث میں سو مرتبہ کی مقدار بیان کی گئی ہے، چنانچہ ہمارے تمام ایسے بزرگ جو لوگوں کو اذکار و تسبیحات اور معمولات بتاتے ہیں تو اس میں سو مرتبہ استغفار کی بھی تسبیح بتاتے ہیں جو یہ ہے "استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب الیه" تو اس میں توبہ کا لفظ بھی ہے لیکن ساتھ ساتھ توبہ کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ تو جب نبی کریم ﷺ سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے اور بزرگوں کے معمول میں بھی یہ شامل ہے اس لئے ہمیں بھی اس عمل کو کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ سے خوش ہوتے ہیں

ایک اور حدیث جو مسلم شریف کی ہے اور وہ مختصراً بخاری شریف میں بھی موجود ہے کہ حضرت انسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس کا خلاصہ اور مضمون یہ ہے کہ جب بندہ اپنے گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے ایک شخص اپنی اونٹنی پر سوار ریگستان میں ہو اور اس کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ہو جو اسی سواری پر رکھا ہوا ہو اور وہ سواری کسی طریقے سے چھوٹ جائے اور اس کی کوشش کے باوجود وہ بھاگ جائے، اب یہ شخص اس کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہو، جہاں کوئی ریت کا ٹیلہ نظر آیا، اس پر چڑھ کر دیکھے لیکن وہ نہ نظر آئے اور وہ ریگستان ایسا ہو کہ سینکڑوں میل دور تک زندگی کے کوئی اسباب اور آثار نہ ہوں اور یہ شخص بھوکا اور پیاسا ہونے کی حالت میں اسے تلاش

کرتے کرتے تھک کر چور ہو چکا ہو اور اسے کئی دنوں تک کھانا ملنے کی توقع نہ ہو تو پھر یہ شخص کیکر کے ایک درخت کے سائے میں لیٹ جائے اور اس کی آنکھ لگ جائے اور وہ سو جائے، جب اٹھے تو اپنے سامنے کھانے، پینے کے سامان کے ساتھ لدی ہوئی اپنی اونٹنی کھڑی ہوئی پائے تو اس وقت وہ آدمی اس سامان کو پاکر جتنا خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اس وقت خوش ہوتے ہیں جب اللہ کا کوئی بندہ اپنے گناہ سے توبہ کرلیتا ہے۔

توبہ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

اور یہ سوال کہ توبہ کب تک کی جاسکتی ہے اور اس کا وقت کب تک رہتا ہے؟ تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ان اللہ عزوجل یقبل توبۃ العبد

مَالَمْ یغرغر﴾ (رواہ ترمذی)

”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو اس وقت تک قبول کرتا رہتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت نہ ہو جائے۔“

یعنی نزع کی کیفیت پیدا ہونے سے پہلے پہلے تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں اور توبہ کا دروازہ نزع کی کیفیت پیدا ہونے سے پہلے پہلے تک کھلا رہتا ہے۔ جب مرنے والے کو موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو اس وقت کی کیفیت نزع کی کیفیت کہلاتی ہے اور اس وقت توبہ قابل قبول نہیں ہوتی، کیونکہ توبہ کا

دروازہ اب بند ہو چکا ہے۔ الحمد اللہ ہماری اس مجلس میں کسی ایک شخص پر بھی نزع کی کیفیت نہیں اس لئے ہم میں سے ہر ایک توبہ کر سکتا ہے اور اسی وقت حقوق اللہ سے متعلق تمام گناہ معاف کرواسکتا ہے جو کہ اولیاء اللہ ہونے کی نشانی ہے۔

ولی کے متعلق لوگوں کے خیالات

درمیان میں ایک اور بات ولیوں ہی سے متعلق عرض کردوں کہ لوگوں نے اولیاء کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ جو شخص ہوا میں اڑتا ہو وہ ولی ہوتا ہے، کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص سمندر پر چلتا ہو، وہ ولی ہے کوئی کہتا ہے کہ جو روحوں سے ملتا ہو وہ ولی ہے، اور بعض لوگوں کے بارے میں تو آج کل یہ باتیں بھی ہوتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں ہیں، اسی طرح کوئی تعویذ، گنڈے کرنے والے کو ولی سمجھتا ہے۔ یاد رکھیں! ولی اللہ صرف وہ شخص ہے جو اللہ کا دوست ہو یعنی جو اللہ کا فرمانبردار ہو، اور جو شخص اللہ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہو تو وہ لاکھ مرتبہ بھی غیب کی باتیں بتائے، ہوا میں اڑتا ہو یا چاند ار پتوں میں اس کی شبیہہ نظر آتی ہو تو ایسا شخص ولی اللہ تو کجا، صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں ہے، وہ جادوگر اور شعبدہ باز تو ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

ایک بزرگ کی کرامت

ایک صاحب نے ایک بزرگ کی تعریف سنی تو اس غرض سے ان کی طرف سفر کیا کہ ان کی صحبت میں رہ کر ان سے فیض حاصل کروں اور اپنی اصلاح کروں۔ وہ اس امید پر گئے تھے کہ ان کی کشف و کرامات بہت ہوں گی، ایسی ایسی پیشین گوئیاں کرتے ہوں گے جو پوری ہوتی ہوں گی لیکن وہاں کوئی کشف و کرامت ظاہر نہ ہوئی، تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ کیسے اللہ کے ولی ہیں کہ کبھی ان سے کسی کرامت کا ظہور نہیں ہوا؟ تو اب ضروری ہے کہ دل میں پیدا ہونے والے وساوس و خیالات اور اعتراضات کو انہی کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے اپنے شیخ سے یہ صورت حال عرض کی کہ حضرت! دس سال سے میں آپ کی خدمت میں رہ رہا ہوں لیکن آپ سے کبھی کشف و کرامت ظاہر نہیں ہوئی جب کہ دوسرے بزرگوں کے بارے میں ہم نے کتابوں میں پڑھا اور سنا ہے کہ ان سے بہت زیادہ کشف و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ بزرگ صحیح معنی میں محقق تھے، جواب میں کہنے لگے کہ یہ بتاؤ! تم دس سال سے میرے ساتھ رہ رہے ہو، کیا تم نے کبھی میرا کوئی عمل سنت کے خلاف بھی دیکھا ہے؟ تو ان صاحب نے کافی دیر گردن جھکائے سوچتے رہنے کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ نہیں! میں نے آپ کا کوئی عمل سنت کے خلاف نہیں دیکھا ان بزرگ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہو گی کہ ایک انسان اللہ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے؟ معلوم ہوا کہ ولی، اللہ کے دوست کو کہتے ہیں اور اللہ کا دوست اس کے احکام پر عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

ولی ہونے کے لئے کرامت شرط نہیں

کیا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی ولی ہو سکتا ہے ؟ ہر گز نہیں! لیکن قرآن حکیم میں "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ" کہہ کر آپ ﷺ کی سب سے بڑی شان بندگی ذکر کی گئی ہے، جبکہ ہمارے معاشرے کے اندر جو شخص ہوا میں اڑ سکے اس کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی درمیان میں عرض کرتا چلوں کہ کبھی کبھی اللہ کے کسی ولی سے کوئی کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن وہ کرامت اس کے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کہ جب چاہے اس کا ظہور کروادے اور جب چاہے نہ کروائے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں! کہ ولی ہونے کے لئے کرامت کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس کی شرط صرف اور صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ کے تابع ہو۔ چنانچہ ایک بزرگ ایسے ولی تھے جو کہ صاحب کشف و کرامات تھے، مگر ان کی بیوی ان کی معتقد نہیں تھی، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ بیویاں اپنے شوہر کی معتقد نہیں ہوتیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے، کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات تو دوسروں سے بھی زیادہ آپ ﷺ کی معتقد تھیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کے متعلق ان کی اہلیہ محترمہ کا اعتقاد

ہم نے اپنے بزرگوں کی بیویوں کو بھی ان کا معتقد دیکھا ہے، مثلاً حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفیؒ کی اہلیہ محترمہ ان کی زندگی میں بھی ان کی بہت معتقد تھیں اور ہمارے گھر والوں کو حضرت عارفیؒ کی باتیں بتایا کرتی تھیں۔ مثلاً ایک

مرتبہ فرمایا کہ جب سے ہماری شادی ہوئی (تقریباً ۵۰ سال ہوئے تھے) اس وقت سے آج تک کبھی حضرت نے مجھ سے پینے کے لئے پانی تک نہیں مانگا اور اگر کبھی ایسا موقع ہوا کہ پانی کا گلاس میرے پاس رکھا ہوا ہے اور حضرت دوسری طرف تشریف فرما ہیں اور حالت ایسی ہے کہ اگر حضرت مجھ سے گلاس دینے کو کہیں تو میں بغیر کسی دشواری کے وہ گلاس حضرت کو پکڑا سکتی تھی لیکن کبھی حضرت نے مجھ سے نہیں مانگا بلکہ خود اٹھ کر پیتے تھے۔ الا یہ کہ اگر مجھے یہ خیال ہو جاتا کہ حضرت پانی پینے کی غرض سے اٹھے ہیں تو میں پیش کر دیتی تھی۔ اور حضرتؒ خود فرماتے تھے کہ الحمد اللہ اپنی پوری زندگی میں، میں نے کبھی اپنے ذاتی کام کے لئے اپنی بیوی سے نہیں کہا۔ تو بات یہ ہو رہی تھی کہ بہت سے اولیاء اللہ کی بیویاں ان کی معتقد نہیں ہوتیں لیکن کبھی کبھی کوئی بیوی معتقد بھی ہوتی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایسے ہی ان بزرگ کی بیوی بھی ان کی معتقد نہیں تھی چنانچہ ایک مرتبہ ان کو کہنے لگی کہ تم کوئی ولی اور بزرگ نہیں ہو، بلکہ بزرگ تو ایسے ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے کل دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ وہ کون تھا؟ اس نے پوچھا کہ وہ کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ میں ہی تو تھا، اس پر بیوی نے کہا اچھا! جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ولی اللہ ہونے کے لئے کشف و کرامات، عجیب و غریب باتوں کا ظہور اور پیشن گوئیاں کرنا شرط

نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف ایک شرط ہے کہ اللہ کا تابعدار بندہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے والا امتی ہو۔

ولی اللہ بننا کچھ مشکل نہیں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ لوگ ولی اللہ بننے کو کوئی مشکل کام سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنوں میں غلط تصور بیٹھا ہوا ہے، جبکہ ولی اللہ بننا کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے اختیار میں ہے، اور حاضرین میں سے اگر ہر شخص اسی وقت ولی اللہ بننا چاہے تو اسی وقت ہر انسان ولی اللہ بن سکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اسی وقت صدق دل سے پکی توبہ کرلے جس کی وجہ سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور یوں تم اللہ کے ولی بن جاؤ گے اور دوسرا گناہ کرنے سے پہلے پہلے تک تم اللہ کے ولی رہو گے۔ اور یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ولایت جیسا بڑا درجہ کتنا آسان فرمادیا لیکن ہم لوگ اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔

توبہ کا ایک اور دروازہ

اس سے کچھ پہلے آپ نے توبہ کی حدیث سماعت فرمائی ہے کہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہتا ہے جب تک انسان پر نزع کی کیفیت طاری نہ ہو جائے۔ ایک حدیث سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے کہ نزع کی کیفیت طاری ہونے پر تو ہر شخص کی توبہ کا دروازہ بند ہوتا ہے لیکن توبہ کا ایک دروازہ ایسا بھی

ہے جو تمام انسانوں کے لئے کھلا ہوا ہے جو قیامت کے قریبی زمانے میں بند ہو گا جب آفتاب مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا جو کہ تاریخ انسان کا حیرت ناک اور نادر ترین واقعہ ہو گا۔ اور جب یہ واقعہ پیش آئے گا تو اس وقت تمام انسانوں کی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، چنانچہ اس وقت میں اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے گا تو اس کا ایمان قابل قبول نہ ہو گا بلکہ اس کا شمار کافروں میں ہی ہو گا۔

گناہ کو بالکل مٹا دیا جائے گا

توبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿التائب من الذنب کمن لاذنب له﴾

(ابن ماجہ و بیہقی)

"کہ جو شخص کسی گناہ سے توبہ کر لے تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں"

اس کی مثال ایسے نہیں ہے کہ جیسے آپ نے کوئی جملہ غلط لکھ دیا اور کسی نے اس پر لکیر کھینچ دی تو اگر چہ وہ کاٹ دیں لیکن نظر تو پھر بھی آئے گا بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گناہ لکھا ہوا باقی نہ رکھا جائے گا بلکہ اس کو مٹا دیا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال صاف ہو جائے گا۔

توبہ کو مت ٹالیں

بعض اوقات انسان جب کسی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اسکی وجہ

سے اس کو ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اور وہ توبہ کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ توبہ کے بعد یہ گناہ دوبارہ سرزد ہو جانے کا خوف ہے، توبہ نہیں کی اور شیطان بھی اس کو یہی سکھاتا ہے کہ اگر توبہ کے خلاف ہو جائے تو پھر کیا کرو گے؟ چنانچہ وہ اس وقت توبہ ترک کر کے اس کو ٹالتا رہتا ہے اور گناہوں کے انبار کے انبار جمع کرلیتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ شیطان کا یہ دھوکہ تباہی کی طرف لے جانے والا ہے اور شیطان، انسان کا دشمن ہونے کی وجہ سے اس کو تباہی کے دروازے یعنی جہنم تک پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ چنانچہ جب یہ وسوسہ اور خوف آپ کے دل میں پیدا ہو کہ اگر توبہ ٹوٹ گئی تو پھر میں کیا کروں گا تو آپ فوراً دل میں سوچ لیں کہ میں دوبارہ توبہ کرلوں گا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے توبہ کی اور پھر وہ توبہ ٹوٹ گئی تو دوبارہ توبہ کرلے اور جو توبہ ٹوٹ گئی تھی وہ بیکار نہیں جائے گی کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس توبہ تک ہونے والے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور توبہ ٹوٹنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تو دوبارہ توبہ کر کے اس کو بھی معاف کروالے اور گناہوں سے پھر صاف ہو جائے۔ لیکن اگر توبہ کو ٹالتا ہی رہا تو کچھ معلوم نہیں کہ کس وقت ملک الموت آپہنچے اور دنیا سے رخصت ہونا پڑے؟ اور آج کل تو ویسے بھی حادثات میں موت واقع ہو جاتی ہے اسی لئے بزرگوں کی تعلیم اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ رات کو سوتے وقت توبہ واستغفار کر کے سونا چاہئے کیونکہ صبح کو آنکھ کھلنے کا کسی کو علم نہیں ہے۔

ستر مرتبہ بھی توبہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ توبہ کرلو

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ

"یارسول اللہ ﷺ! اگر ہم نے توبہ کی، پھر
وہ گناہ دوبارہ ہو گیا تو کیا ہو گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "پھر توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ قبول فرمالے گا! صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اگر پھر توبہ ٹوٹ گئی تو کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ستر مرتبہ توبہ کرنے کے بعد بھی ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ پھر معاف فرما دے گا حتیٰ کہ اگر ایک آدمی نے ایک دن میں ایک ہی گناہ سے ستر مرتبہ توبہ کی اور وہ ٹوٹتی رہی تو پھر بھی توبہ کر کے وہ گناہ معاف کروایا جاسکتا ہے"۔

خلاصہ اور حاصل یہ کہ توبہ کو کبھی ٹالنا نہیں چاہئے اور نہ ہی توبہ کے ٹوٹ جانے کا خوف کرنا چاہیے اس لئے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ توبہ کو ٹوٹنے ہی نہ دیں۔ اور ساتھ ساتھ گناہ کو نہ کرنے کے عزم کے ساتھ اللہ سے اس پر قائم رہنے کی دعا بھی کریں اور گناہ ہونے پر فوراً ہی توبہ کرلیں۔ اسی لئے یہ دعا سکھائی گئی۔

﴿اللھم اجعلنی من التوابین و
اجعلنی من المتطھرین﴾

توبہ کے بارے میں ایک حدیث

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں دو آدمیوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور ان دونوں آدمیوں میں سے ایک قاتل ہو گا اور دوسرا مقتول ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہوں گے اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے"۔

ظاہر ہے یہ تعجب خیز بات ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں سے اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوں گے ؟ تو سن لیجیئے ! وہ اس طرح کہ اگر کسی مسلمان شخص کو جہاد کے دوران شہید کر دیا گیا تو یہ مقتول، شہید فی سبیل اللہ ہونے کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو گیا اور بعد میں اس قاتل کافر نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو گا، تو قاتل اور مقتول دونوں جنت میں پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اس حدیث سے توبہ کی اہمیت واضح ہو رہی ہے کہ ایک شخص توبہ کر کے جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پکی سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

صبر اور اسکی
حقیقت و اہمیت

موضوع : صبر اور اس کی حقیقت واہمیت
تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : مدرستہ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف

صبر اور اس کی حقیقت و اہمیت

بعد از خطبہ :۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان اللہ مع الصبرین (سورۃ بقرہ آیت ۱۵۲)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان میں سے ایک بہت ہی اہم حکم صبر کا ہے۔ صبر کا معنی ہے اپنے آپ کو اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنا۔
ہمارا نفس کبھی کسی کی طرف دیکھنے کی، کھانے کی یا بات کرنے کی جو ترغیبات دیتا رہتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک گھوڑا ہو اور اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ کبھی ادھر منہ مارے گا اور کبھی ادھر کبھی وہ آپ کو کسی طرف

لیجائے گا اور کبھی کسی طرف، اگر آپ اس کو قابو میں نہ رکھیں گے تو وہ آپ کے لیے وبالِ جان بن جائے گا اور اگر اس کو قابو میں رکھیں گے تو وہ آپ کا بہترین رفیق اور معاون بن جائے گا، بڑی بڑی مسافتیں اس کے ذریعے قطع کی جاسکتی ہیں بالکل اسی طرح نفس کا معاملہ ہے کہ ہمارا جسم جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس کے اندر طرح طرح کے جذبات رکھے ہیں خواہ وہ جذبات اچھی بات کے ہوں یا بری بات کے! اور یہ جذبات ہر انسان کے دل میں ہوتے ہیں تو اگر اس نفس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر یہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ کر جو چاہے کرے اور تمھیں تباہ و برباد کر دے جبکہ صبر کی حقیقت نفس کو قابو کرنا ہے۔

غم کے موقع پر بھی اپنی زبان قابو میں رکھو

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ صبر کا معنیٰ ہے اپنے آپ کو گناہ سے روک کر رکھنا چنانچہ اگر کسی کو خدانخواستہ کوئی مصیبت یا غم پیش آجائے تو اس کا دل چیخنے، چلانے، رونے اور شور مچانے کو چاہتا ہے۔ اور اگر کبھی بات بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے لگتا ہے جیسا کہ بعض لوگ غم کے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ میاں کو اس کام کے لیے ہمارا گھر ہی ملتا ہے (العیاذ باللہ) اور اس بے صبری میں کوئی اپنا سر پھاڑنے لگتا ہے تو کوئی بے تحاشا رو رو کر لوگوں کو پریشان کرتا ہے۔ اب اگر اس وقت میں نفس کو قابو میں نہ رکھیں تو اسی کا نام بے صبری ہے اور قابو میں رکھنے کا نام صبر ہے۔ ایک آدمی کے اہل محبت میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو بہت غم ہوتا ہے لیکن بے صبرے آدمی کا غم اور ہوتا

ہے اور صابر آدمی کا غم اور طرح کا ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ صابر آدمی کا غم اس کو آپے سے باہر نہیں ہونے دیتا ہاں اگر غیر اختیاری طور پر آنسو آجائیں تو یہ فطری بات ہے، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آنسوؤں پر کسی کو قابو نہیں ہوتا، یاد رکھیئے! کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت میں کوئی ایسا حکم نہیں دیا کہ جو انسان کے بس سے باہر ہو لیکن ہماری زبان، ہمارے ہاتھ پاؤں تو ہمارے اختیار میں ہیں تو غم کے موقع پر ان کو قابو میں رکھنا صبر ہے۔ بعض لوگ غم کے موقع پر کپڑے پھاڑنے لگتے ہیں، بال منڈوا دیتے ہیں اور سینہ کوبی کرنے لگتے ہیں اور یہ کام آج کل پورے ملک میں ہو رہا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے)۔

نوحہ کرنے والے کو یہ عذاب دیا جائے گا

پہلے زمانے میں کوئی موت وغیرہ ہو جاتی تو ایسے موقع پر غم کے مارے عورتیں کپڑے پھاڑ دیتی تھیں، بالوں کو منڈوا دیتی تھیں اور اپنے جسموں کو نوچنے لگتی تھیں اس بارے میں

"نبی اکرم ﷺ سے ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ایسے بے صبرے آدمی کو خارش کی پھنسیوں کی قمیص پہنائی جائے گی یعنی پورے جسم پر خارش کی پھنسیاں نمودار ہو جائیں گی اور اس کے اوپر تارکول کی قمیص پہنائی جائے گی۔"

آپ اندازہ لگایئے کہ جس آدمی کے سارے جسم پر خارش ہو رہی ہو، اس کو تارکول کی قمیص پہنادی جائے تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ تو قیامت میں

یہ عذاب بے صبرے آدمی کو دیا جائے گا۔

صبر کے تین مواقع

صبر کا ایک موقع تو مصیبت کے وقت ہے (جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی ہے) اور دوسرا موقع یہ ہے کہ کوئی گناہ کرنے کو دل چاہ رہا ہے، اور اس کو کر گزرنے کے لیے بے چین اور بے تاب ہے تو اس موقع پر انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر وہ گناہ نہ ہونے دے مثلاً کسی نا محرم کی طرف دیکھنے یا غیبت وغیرہ کرنے کو دل چاہ رہا ہے تو ایسے موقع پر نفس کی گاڑی کو بریک لگانا صبر کا دوسرا موقع ہے اور یہ صبر معصیت کے مقابلے میں ہوگا کہ اگر اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، اللہ کی نافرمانی ہوگی اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ اور صبر کا تیسرا موقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہے، مثلاً اذانِ فجر ہو رہی ہے، نیند کا غلبہ ہونے کی وجہ سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کا منادی پکار پکار کر کہہ رہا ہے "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہ نماز اور فلاح کی طرف آؤ تو جب منادی "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس وقت مردوں کے لیے مسجد میں آنے ہی میں فلاح ہے، کسی اور کام میں نہیں اور ساتھ ساتھ وہ یہ بھی پکار رہا ہے۔ "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہ نماز، نیند سے بہتر ہے تو یہ صبر کی آزمائش کا موقع ہے کہ نفس کہہ رہا ہے، سردی لگ رہی ہے، تھوڑی دیر اور سو جاؤ لیکن تمھیں اپنے نفس کو روکنا ہے اور یہ اللہ کی اطاعت کے لیے صبر کرنا ہے مثلاً جہاد کا موقع ہے، گولیاں برس رہی

ہیں اور موت سامنے نظر آرہی ہے، نفس کہتا ہے کہ مر جاؤ گے تو بیوی، بچوں کا کیا بنے گا؟ تو اس وقت نفس کو قابو میں رکھنا اور دشمن کے سامنے سے پشت نہ پھیرنا صبر ہے اگر انسان اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا، اس کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ گو آخرت تو تباہ ہو گی ہی لیکن بے صبرے آدمی کی دنیا بھی صبر کے بغیر نہیں سنور سکتی۔

دنیا کمانے کے لیے صبر کیا جاتا ہے

لوگ دنیا کمانے کے لیے کتنا صبر کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی ڈیوٹی صبح سات بجے کی ہے تو اگرچہ وہ نمازی نہ ہو لیکن صبح ۵ بجے اُٹھ جائے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے بغیر تنخواہ نہیں ملے گی، ملازمت برقرار نہیں رہے گی، لہٰذا وہ صبر کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی دنیا کے طرح طرح کاموں کے لیے انسان صبر کرتا ہے مثلاً دل چاہتا ہے کہ فلاں کھانا کھالو کہ وہ بڑا مزیدار ہے لیکن ڈاکٹر نے منع کر رکھا ہے کہ اگر اس کو کھاؤ گے تو کینسر یا ہارٹ اٹیک ہو جائے گا لیکن اگر آدمی نے صبر نہ کیا تو اس کی دنیا بھی برباد ہو جائے گی کیونکہ وہ پرہیز نہیں کرے گا تو بیماریوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

ایک وصف ناگزیر

معلوم ہوا کہ صبر ایک ناگزیر وصف ہے جو انسان کے اندر ہونا چاہیے اور دنیا و آخرت کی کامیابی اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جو شخص اپنے نفس

کو قابو میں رکھتا ہے وہ صابر اور صبور کہلاتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے احکام بھی ہیں اور خوشخبریاں بھی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا ﴾

"کہ اے ایمان والوں! تم صبر سے کام لو اور نفس کو قابو میں رکھو" (آل عمران)

اگر نفس بخل کی طرف مائل ہوتا ہے تو تم بخیل نہ بن جاؤ اور اگر بزدلی اور سستی کی طرف نفس کا میلان ہے تو تم بزدل اور سست نہ بن جاؤ بلکہ "اِصْبِرُوْا" کہ نفس کو قابو میں رکھو "وَصَابِرُوْا" کہ کفار کے مقابلے میں صبر کے اندر ان سے آگے بڑھ جاؤ اس طرح کہ جتنا صبر ان کے اندر ہے اس سے زیادہ تم دکھاؤ۔"

جہاد میں بھی صبر کی آزمائش

جنگ جب بھی ہوتی ہے تو درحقیقت دونوں فریقوں کے درمیان صبر کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جس کے اندر صبر زیادہ ہوتا ہے، وہ جیت جاتا ہے اور جس کے پاس صبر کم ہوگا وہ ہار جائے گا اور مقابلہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ کون سی جماعت مصیبتوں کو زیادہ برداشت کر سکتی ہے اور کتنی محنت و بھوک کو برداشت کرنے کا مادہ ہے تو فرمایا کہ عام زندگی کے اندر بھی صبر کرو، صبر کے تینوں مواقع پر بھی اور جنگ کے میدان میں کفار کے مقابلے میں بھی زیادہ صبر دکھاؤ جس کی وجہ سے تمھیں فتح نصیب ہوگی۔

صابر قوم ہمیشہ فتح یاب ہوتی ہے

حضرت خالد بن ولیدؓ مشہور جرنیل اور صحابیؓ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ان کے ہاتھوں بڑی بڑی فتوحات عطا کیں۔ جرنل (قیصر روم) کے مقابلے میں سب سے پہلے وہی لشکر لے کر پہنچے اور کسریٰ سے مقابلہ بھی انھوں نے کیا اور اس وقت یہی دونوں طاقتیں تھیں۔ قیصر رومیوں کا اور کسریٰ فارس کا بادشاہ تھا اور پوری متمدن دنیا اس وقت تقریباً انھی دونوں بادشاہوں کی بادشاہتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مغربی ممالک اور شام و مصر وغیرہ پر قیصرِ روم کا قبضہ تھا اور ایران و عراق وغیرہ کے علاقے کسریٰ کے قبضے میں تھے تو حضرت خالد بن ولیدؓ اپنا لشکر لے کر کسری کے مقابلے میں پہنچے اور رستم و کسری کی فوجوں کے پاس پیغام بھیجا جو عام طور پر مجاہدین اسلام ایسے مواقع میں دیا کرتے ہیں کہ یا تو اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور جو حقوق ہمارے ہیں وہی تمھارے بھی ہوں گے اور اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمھیں اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کریں گے لیکن تمھیں ہمارا اقتدار قبول کرنا پڑے گا اور جزیہ دینا ہوگا تاکہ تم سرکشی نہ کر سکو اور اگر تمھیں یہ بھی قبول نہیں تو یاد رکھو کہ میرے ساتھ مجاہدین کی ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسے ہی محبوب رکھتی ہے جیسے تم شراب کو محبوب رکھتے ہو یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ کو اسی بات پر فخر تھا کہ میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو صبر میں ان سے بڑھنے والی ہے، خواہ کوئی مصیبت آ جائے، یہ لوگ پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں اور قرآن حکیم کی آیتِ مذکورہ پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔

آزمائش کے طریقے :

دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ﴾ (پ۲ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۵)

"کہ ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے تھوڑے سے خوف کے ذریعہ اور بھوک کے ذریعہ اور مالی نقصان کے ذریعہ اور جانی نقصان کے ذریعہ اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ اور خوشخبری ہے صبر کرنے والوں کے لیے"

اس لیے کہ انسان دنیا میں آزمائے جانے ہی کے لیے آیا ہے، لہذا ہم تمھیں آزمائشوں میں ڈالیں گے۔ "تھوڑے سے خوف کے ذریعے" کہ کبھی تم پر درندہ اور جانور کا خوف مسلط کیا جائے گا تو کبھی چور اور ڈاکو کا۔ اس وقت تمھاری آزمائش ہو گی کہ تم اپنے نفس پر قابو پا سکتے ہو یا نہیں؟ بزدل بنتے ہو یا خوف کا مقابلہ کرتے ہو؟ اور "کبھی بھوک کے ذریعے" تمھاری آزمائش کی جائے گی کہ فقر و فاقہ آئے گا یا تمھارے پاس پیسے ہوں گے لیکن ایسے بیابان اور جنگل میں پھنس جاؤ گے کہ کھانے کی کوئی چیز نہیں ملے گی اور رمضان کے پورے مہینے میں بھوک کی آزمائش تو ہوتی ہی ہے اور "مالی مشکلات کے ذریعے" بھی تمھاری آزمائش کی جائے گی کہ کبھی تجارت میں نقصان ہو گا تو کبھی چوری اور ڈکیتی کے ذریعے نقصان ہو گا یا باغ

اور کھیتی پھل نہیں دیتے سیلاب کی وجہ سے یا اولے پڑنے کی وجہ سے وہ بار آور نہ ہوئے تو یہ بھی آزمائش کا ایک طریقہ ہے اور کبھی ''جانوں کا نقصان'' ہوگا جس میں موت بھی داخل ہے اور دوسری تکلیفیں بھی۔ بیماریاں، زخم اور جسمانی تکلیف وغیرہ کے ذریعے بھی آزمایا جائے گا اور کبھی ''پھلوں اور پیداوار میں نقصان'' ہوگا اور اس کے ذریعے تمھاری آزمائش ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو واقعات ہم پر پیش آتے ہیں، غیر متوقع نہیں ہیں بلکہ یہ نظامِ کائنات ہے۔

آزمائش ہر شخص کی ہوتی ہے

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے راحت اور تکلیف دونوں کا مجموعہ بنادیا ہے۔ یہاں نہ صرف راحت ہر ایک کو ملتی ہے اور نہ صرف تکلیف، بلکہ ہر خوشی کے ساتھ غم ملا ہوا ہے اور یہ آزمائش کے لیے ہے۔ اگر انسان کے اوپر یہ حالات نہ آتے تو وہ کتنا سرکش ہو جاتا؟ لیکن اب تکلیفیں آتی ہیں تو اللہ کے سامنے آہ وزاری سے دعائیں مانگتا ہے، گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اور آزمائش ہر ایک شخص کی ہوتی ہے۔، دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کی آزمائش نہ کی جائے اور اس آزمائش کے وقت انسانوں کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔

۱۔ بے صبرے لوگ ۲۔ صبر والے لوگ

اور انھی کے لیے قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ'' کہ ان لوگوں کو جو آزمائش کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں، ان کو خوشخبری سنا دیجیے۔ صبر ہی کی مثال تنگدستی سے سمجھیے کہ ایک تنگدست آدمی ہے اور اس کی بیٹی کی شادی ہونے

والی ہے، لیکن اس کے پاس پیسے نہیں ہیں یا کوئی تعلیم حاصل کر رہا ہے، یا بیمار ہے اور پیسے نہیں ہیں یا کم ہیں اور آپ ایک سرکاری ملازم ہیں جہاں رشوت مل سکتی ہے تو اب یہاں پر مال کی کمی آزمائش بن رہی ہے اور آپ کا نفس آپ کو رشوت لینے پر اُبھار رہا ہے کہ لے لو، اس کے ذریعے فلاں فلاں کام ہو جائیں گے، اب آپ کشمکش میں پڑ گئے کہ جہنم کے ان انگاروں کو لوں یا نہ لوں۔ ان حالات میں جو شخص اس سے بچ کر رہے گا اس کے لیے بشارت ہے ایسے ہی سود اور حرام مال کا معاملہ ہے کہ یہ ساری آزمائشیں ہیں لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ یہ ساری مصیبتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ان میں ضرور اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہو گی جس میں سے ایک حکمت تو متعین ہے کہ اگر ہم صبر کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے۔

صابر کو اجر بے حساب ملتا ہے

اسی لیے قرآن میں ایک دوسری جگہ پر ارشاد ہے

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (پ ۲۳ سورۃ زمر آیت نمبر ۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا پورا پورا ثواب دیا جائے گا بغیر حساب کے۔"

یعنی صبر کی وجہ سے ملنے والا ثواب تو ملے ہی گا لیکن اسکے ساتھ ساتھ مزید ثواب بلا حساب کے ہو گا کیونکہ صبر کی صفت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لیے ارشاد فرمایا

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

(پ ۲۵ سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۴۳)

" کہ جو شخص صبر سے کام لیتا ہے اور دوسرے کو معاف کر دیتا ہے۔ بے شک یہ کام ہمت کے ہیں۔"

مثلاً کسی نے غیبت کر دی یا گالی دے دی تو ایک طریقہ تو وہی ہے جو عام طور پر لوگ اختیار کرتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صبر کرے اور معاف کر دے پس جو ایسا کرتا ہے وہ تمام امور میں سب سے زیادہ پختگی دکھاتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا!

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۵۳)

" اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یعنی جب تم پر کوئی مصیبت آجائے تو اس مصیبت کے وقت اس کے مقابلے کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز صبر اور نماز ہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو۔ اگر تم نے اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھا تو یا تم کسی سے لڑ پڑو گے یا کسی کو گالی دے کر نقصان اٹھاؤ گے یا کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو گے کہ جس سے دین یا دنیا کا نقصان ضرور ہو جائے گا اور تمھیں پیش آنے والی تکلیف میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو

لہٰذا ایسے مواقع پر صبر سے مدد لو، اگر تم صبر سے کام لو گے تو اس مصیبت کا اثر کم ہوتے ہوتے ختم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ اور اگر بے صبری کرو گے تو تکلیفیں اور بڑھتی جائیں گی اور دوسری چیز یہ کہ نماز سے مدد حاصل کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کو کوئی پریشانی یا فکر دامنگیر ہوتا تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اللہ سے دعا مانگتے تھے۔ تو مصیبت کے وقت مذکورہ بالا دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے ایک دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۃ محمد ﷺ آیت نمبر ۳۱)

"کہ ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم جان لیں ان لوگوں کو، جو مجاہد ہیں اور ان لوگوں کو، جو صبر کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مصیبتیں اور تکلیفیں بیکار نہیں آتیں بلکہ آزمائش ہوتی ہیں تاکہ اگر انسان صبر کرے تو دوگنا ثواب پائے اور اللہ کا مقرب بن جائے اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" والی بات اس کو حاصل ہو جائے۔"

مومن کا ہر حال میں فائدہ ہے

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"عَجَبًا لِاَ مْرِ الْمُؤْمِنِ"

کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے۔

"اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ"

کہ اس کا ہر وہ معاملہ جو اسے پیش آتا ہے اس کے لیے خیر ہوتا ہے

"وَلَیْسَ ذٰلِكَ بِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ"

کہ یہ نعمت ہر حال میں "مومن" کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ نعمت مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں کہ اگر مومن کو خوشی حاصل ہو جائے تو وہ اللہ کا شکر کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ خوشی اس کے لیے باعثِ اجر بن گئی۔

﴿"وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ"﴾ عن صہیب بن سنان مشکوۃ صفحہ ۵۲ ۴، رواہ مسلم

کہ اگر اس کو ضرر اور تکلیف پہنچ گئی تو وہ صبر سے کام لیتا ہے جس کی وجہ سے مصیبت بھی اس کے لیے خیر بن گئی' لہٰذا مومن کا فائدہ تو ہر حالت میں ہے۔ اگر بندہ کو راحت ہے اور وہ اس پر شکر کرے تو "شاکر" کہلائے اور اللہ کو شاکر بندہ بہت پسند ہے اور اگر تکلیف میں صبر کرے تو "صابر" کہلائے اور "صابر" بندہ بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے تو صبر اور شکر دو نعمتیں ہیں جو اپنے اپنے مواقع پر ہوتی ہیں۔

تکلیف بھی اللہ کی نعمت ہے

حضرت والد صاحبؒ کا جب آخری زمانہ تھا طرح طرح کی بیماریاں ان کو لگی ہوئی تھیں اور اللہ کے بندوں کو تو بعض اوقات اور بھی زیادہ تکلیفیں پیش آتی ہیں تا کہ ان کے درجات میں اضافہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں حدیث میں ہے کہ مرض الموت میں آپ ﷺ کو ایسا شدید بخار آیا کہ فرمایا مجھے دو آدمیوں کے بقدر بخار ہوتا ہے۔ تو ایک رات حضرت والد صاحبؒ کو بہت زیادہ تکلیف تھی، ٹانگوں پر دانے نکل آئے تھے جن میں شدید تکلیف تھی اور دل میں بھی تکلیف تھی اور صاحبِ فراش تھے اور اس پر مزید یہ کہ چند ہی دن پہلے ہمارے بڑے بھائی زکی کیفی مرحوم کا انتقال ہوا تھا (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائے) جو کہ حضرت والد صاحبؒ کے بہت زیادہ چہیتے بھی تھے اور سب سے بڑے بیٹے بھی تھے۔ یعنی کئی تکلیفیں جمع تھیں جن کی وجہ سے رات بھر سو نہ سکے، اگلے دن فرمانے لگے کہ رات مجھ پر ایسی کیفیت تھی اور بار بار میری زبان پر یہ الفاظ آرہے تھے کہ یا اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ تو اچانک مجھے خیال آیا کہ تم یہ کیسی بے ادبی کی بات کر رہے ہو؟ کیا یہ تکلیف اللہ کی نعمت نہیں ہے چنانچہ میں نے اللہ سے توبہ کی کہ یا اللہ! مجھے معاف کر دیجئے، آپ کی بھیجی ہوئی تکلیف بھی رحمت ہے اور آپ کی بھیجی ہوئی راحت بھی رحمت ہے لیکن میں آپ کا کمزور اور کم ہمت بندہ ہوں اس لیے مجھ سے تکلیف کی محنت برداشت نہیں ہوتی، آپ اس تکلیف کی نعمت کو راحت کی نعمت سے بدل دیجیے۔ یہ ہے اللہ جل شانہ کا ادب کہ اپنی عاجزی کا بھی اقرار ہے، ناشکری سے بھی اجتناب ہے اور صبر

بھی ہے تو اگر ایک مومن فکر کرے تو تکلیف اور راحت دونوں چیزیں اس کے لیے نعمت بن سکتی ہیں۔

الحمد للہ کہنا بھی عظیم عبادت ہے

اور شکر کرنے کے لیے وقت بھی متعین نہیں ہے مثلاً آپ اپنے گھر میں گئے، آپ کا بچہ ہنستا ہوا آپ کی گود میں آ گیا تو آپ کا دل خوش ہو گیا۔ بس چپکے سے دل میں اللہ کا شکر ادا کر دو اور الحمد للہ کہدو تو یہ عبادت بن جائے گی اور آپ کا اجر و ثواب بھی بڑھ گیا۔ ایسے ہی آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی، آپ نے پانی پی کر راحت حاصل کی اور اس پر "الحمد للہ" کہہ دیا تو یہ پانی پینا بھی عبادت بن گیا اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ﴾ بخاری شریف

"کہ الحمد للہ کا کلمہ میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے۔"

یعنی اگر آپ نے الحمد للہ کہہ دیا تو دنیا کی راحت کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال کے ترازو کو بھی بھر لیا بالکل اسی طرح صبر کا معاملہ ہے کہ آپ نے تکلیف کے موقع پر صبر سے کام لیا تو یہ تکلیف بھی آپ کے لیے باعث اجر و ثواب بن گئی۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو صابر اور شاکر بنائیں۔)

صبر روشنی ہے

حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِيْزَانَ ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَآءٌ، وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْعَلَيْكَ

(ریاض الصالحین صفحہ ۱۹ عن ابی مالک الحارث رضی اللہ عنہ)

”پاکی اور طہارت نصف ایمان ہے، اور اللہ کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ اعمال کے ترازو کو بھر دیتی ہے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ زمین و آسمان کے درمیانی خلاء کو بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ دلیل و حجت ہے، اور صبر روشنی ہے اور قرآن یا تو تمھارے موافق حجت ہو گا یا تمھارے مخالفِ حجت ہو گا“۔ (مسلم)

اس حدیث کی تشریح

یعنی ایمان جن اعمال کا تقاضا کرتا ہے، ان میں آدھے اعمال کے برابر پاکی اور طہارت کا درجہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ میدانِ حشر میں اعمال کا حساب ہو گا ایک پلڑے میں نیک اعمال ہوں گے اور دوسرے میں گناہ ہوں گے۔ اگر نیک اعمال کا پلڑا جھک گیا تو نجات ہو جائے گی اور اگر گناہوں کا پلڑا جھک

گیا تو عذاب میں گرفتار ہو جائے گا تو یہی الحمد للہ کا کلمہ ایسا ہے جو میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے اور اس کو کثرت سے استعمال کرنا چاہیے مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا کہ خیریت ہے؟ تو ایک صورت تو یہی ہے کہ آپ کہہ دیں "میں خیریت سے ہوں" اور ایک صورت یہ ہے کہ آپ کہہ دیں الحمد للہ میں خیریت سے ہوں تو اس جملے میں اور پہلے جملے میں الحمد للہ کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا کیونکہ آپ کا دوسرا جملہ ایسی عظیم الشان عبادت بن گیا کہ اس کی وجہ سے میزانِ عمل بھر جاتی ہے۔

سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کی وجہ سے زمین و آسمان کے درمیان کا خلاء پُر ہو جاتا ہے اور نماز سے انسان کو قلبی نور حاصل ہوتا ہے اور ذہن اور سمجھ میں بھی نور پیدا ہوتا ہے، اعمال میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، قبر اور قبر کی تاریکیوں میں بھی نمازی کو نور حاصل ہوتا ہے۔ نمازی جب میدانِ حشر سے پلصراط کی طرف چلیں گے تو یہ نور بھی ان کے ساتھ ہو گا اور صدقہ دلیل و حجت ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ صدقہ کرتا ہے وہ اس کے لیے آخرت میں اس کی سخاوت اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر دلیل بنتا ہے۔ اور صبر روشنی ہے۔ چونکہ گفتگو صبر کے بارے میں ہو رہی ہے، اس لیے یہ حدیث یہاں ذکر کی گئی کہ صبر سے انسان کو روشنی نصیب ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر حق کو سمجھنے کے لیے دروازے کھول دیتے ہیں اور دل میں انشراح پیدا فرما دیتے ہیں اور صبر کرنے والے کے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور آخرت میں یہ روشنی اس کے کام آئے گی اور فرمایا کہ قرآن تمھاری موافقت میں دلیل ہو گا یا تمھاری مخالفت میں یعنی قرآن پر ایمان بھی ہے اور دنیا میں اس کے احکامات پر عمل پیرا

ہے تو آخرت میں یہ قرآن تمھارے حق میں گواہی دے گا اور قبر میں بھی تمھارے ساتھ تمھاری ہمنوائی کرے گا اور اگر قرآن کو یا اس کے احکام کو نہ مانا اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہی قرآن تمھارے خلاف حجت بن جائے گا اور تم آخرت میں یہ نہیں کہہ سکو گے کہ یا اللہ! ہم نے لاعلمی کی بناء پر یہ گناہ کیا تھا کیونکہ وہاں جتلا دیا جائے گا کہ ہم نے قرآن بھیج دیا تھا اور اس میں سب کچھ بتا دیا تھا تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبر سے انسان کو روشنی حاصل ہوتی ہے (جو شخص سوال کرنے سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے بچا لیتے ہیں) اور فرمایا "وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفُّهُ اللّٰهُ" اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ انصاری صحابہ تشریف لائے، انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا اور درخواست کی کہ ہمیں کچھ مال دیجیے۔ حضور اکرم ﷺ رسول تو تھے ہی، اسلامی حکومت کے سربراہ بھی تھے اور حکومت کے سربراہ کے پاس بیت المال امانت ہوتا ہے اور ساری عوام کا اس میں حق ہوتا ہے اسی بناء پر آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے درخواست کی تھی کہ کچھ عطا فرما دیجیے، آپ ﷺ نے ان کو دے دیا، اس کے بعد کچھ اور مانگا تو وہ بھی آپ ﷺ نے دے دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ رسول اکرم ﷺ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور تقسیم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس مال ہوتا ہے وہ میں تم سے بچا کر اپنے پاس ذخیرہ کر کے نہیں رکھتا بلکہ اس کو تقسیم کر دیتا ہوں اور پھر نصیحت کے طور پر ان سے فرمایا:

"وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفُّهُ اللّٰهُ" کہ جو شخص اپنے آپ کو سوال کرنے سے بچاتا ہو اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو سوال

کرنے کی ذلت سے بچا لیتے ہیں (ترمذی صفحہ ۲۳ ج ۲) یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے عطا فرمادیتے ہیں اور اس کے لیے وسائل اور ذرائع مہیا فرمادیتے ہیں کہ کاروبار یا ملازمت میں برکت عطا فرمادیتے ہیں۔

سوال کرنا کس کے لیے جائز ہے؟

بہت سے لوگ اس راز سے ناواقفیت کی بناء پر سوال کرنے لگتے ہیں حالانکہ سوال کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب انسان کے پاس ایک دن اور رات کے کھانے کا سامان بھی نہ ہو اور جس شخص کے پاس ہو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ بہت سے لوگ جن پر زکوٰۃ فرض نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بات بہت عام ہے۔ یاد رکھیں! کہ جس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، سوال اس کے لیے بھی ناجائز ہے، اِلاّ یہ کہ اس کے پاس ایک دن ورات کے کھانے کا سامان بھی نہ ہو اور حالت یہ ہو کہ نہ مانگنے کی صورت میں فاقہ ہو جائے گا تو ایسی صورت میں سوال کرنا جائز ہے ورنہ سوال کرنا ایسے ہی حرام ہے جیسے شراب پی لی یا خنزیر کا گوشت کھا لیا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ

"جو شخص بلا ضرورت اور ناجائز سوال کرتا ہے تو جب آخرت کے دن وہ اٹھے گا تو اس کے چہرے پر نہ گوشت ہوگا، نہ کھال، بلکہ اسکے چہرے پر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگا۔"

اس کو لوگوں نے بہت آسان معاملہ سمجھ رکھا ہے اور جائز یا ناجائز کی پرواہ نہیں کرتے تو اسی بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو

شخص دستِ سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسکو بچا لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صبر کرنا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھے کہ رازق وہی ہے۔ اگر انسان اس بات پر عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں، انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا، کبھی اس کے خلاف نہیں ہو گا، اور آگے فرمایا "وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِه اللّٰهُ" کہ جو شخص اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں اور اس کو دوسروں کے سامنے اپنی حاجت بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور حدیث میں ہے "وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ" کہ جو شخص ایک مرتبہ کوشش کر کے صبر کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر دے دیتے ہیں جس سے دل کو قرار آجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں کہ اس کی وہ تکلیف رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی صدمہ پہنچے تو اس پر آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں ہے لیکن زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلے جس سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے چیخنا، چلانا یا بالوں کو نوچنا، کپڑوں کو پھاڑنا یا نوحہ اور ماتم کرنا سب حرام ہیں لہٰذا اس پر صبر کرے۔

صبر کرنے والے کے دشمن کامیاب نہیں ہوتے

ہمارے حضرت والدؒ صاحب کو لوگوں سے بہت ایذائیں پہنچی تھیں اور لوگوں نے بہت مخالفتیں کیں تھیں، نوجوانی کے زمانے میں جب دار العلوم دیوبند میں تدریس اور فتویٰ کا کام کرتے تھے، پھر یہاں پاکستان آگئے تب بھی آخر وقت تک لوگ ستاتے ہی رہے لیکن الحمد للہ مخالفین کو کبھی بھی ان کے مقابلے میں

کامیابی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والدؒ صاحب کو ہر مصیبت سے سرخروئی کے ساتھ نکالا تو وہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرا عمر بھر کا تجربہ ہے کہ ایسے مواقع میں جب کہ لوگوں نے میرے خلاف کاروائیاں کیں اور مجھے تکلیفیں پہنچائیں۔ مجھے پریشان کیا اور بدنام کرنے کی کوشش کی تو میں نے اہتمام کر کے پوری طرح صبر کو اختیار کر لیا کہ میں زبان اور عمل کے کسی بھی طریقے سے ان کی ایذارسانی کا جواب نہیں دوں گا اور صبر کر کے اللہ سے مدد مانگوں گا تو مجھے یاد نہیں کہ کبھی اللہ نے مجھے ان مخالفین، حاسدین اور دشمنوں کے مقابلے میں سرخروئی نہ عطا فرمائی ہو، ہاں جب کبھی ایسا ہوا کہ دشمنوں کی شرارت کی وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑ گئی تو یہ اس وقت ہوا جب صبر میں کمی آ گئی اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھے کامل صبر عطا فرمایا تو ہر شر سے میری حفاظت فرمائی ہے۔ یہ ایک ولی کامل کی زندگی بھر کا تجربہ ہے جو ہر انسان کر سکتا ہے کہ اللہ کے بھروسے پر صبر سے کام لے۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خود سامنے آ جائیں گے اور آپ کی طرف سے خود مقابلہ کر کے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ لیکن صبر سے کام لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حفاظتی انتظامات نہ کرے بلکہ انتظامات اور تدابیر کرے لیکن مخالفین کا جواب نہ دے بلکہ خاموشی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ آپ ہی کو فتح عطا فرمائے گا۔ انشاءاللہ

صبر سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا!

﴿وَمَآ اُعْطِیَ اَحَدٌ شَیْئاً ھُوَخَیْرٌ وَاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ﴾ بخاری ومسلم وترمذی صفحہ ۳۲،۲۳،ج ۲

”کہ کسی بھی شخص کو کوئی بھی عطیہ اور انعام صبر سے بہتر نہیں دیا گیا“

اور اس کے فوائد انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوتے ہیں بشرطیکہ آدمی صبر کے تینوں مواقع میں صبر سے کام لے اور اپنے نفس کی گاڑی کو سیدھی شاہراہ پر جو کہ اللہ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنتیں ہیں، چلاتا رہے تو اسی کا نام صبر ہے، اور یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ انسان اسی وجہ سے آخرت میں نعمتوں سے بھی سرفراز ہوگا اور ساتھ میں دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

”اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ“

تو جس شخص کے ساتھ اللہ جل شانہ ہیں، دنیا کی کون سی طاقت اس کا بال بیکا کر سکتی ہے؟

پوتے کی محبت بیٹے کی محبت سے بڑھ جاتی ہے

اگلی حدیث حضرت ابو زید اسامہ بن حارث مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے۔ حضرت اسامہؓ حضور اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثؓ کے صاحبزادے تھے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے لیکن پوتا ہونے پر بیٹے کی بہ نسبت پوتے سے محبت ہوتی ہے تو یہ بھی

چونکہ پوتے کے درجے میں تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ کے بڑے محبوب صحابیؓ تھے، اس لیے لکھا ہے "حُبَّہ' وَابنُ حُبِّہ" کہ آپ ﷺ کے بھی محبوب تھے اور آپ ﷺ کے محبوب کے بیٹے تھے، آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سولہ یا سترہ برس کی عمر تھی لیکن رسول اکرم ﷺ نے جو "جیشِ اسامہ" یعنی لشکر تیار کیا تھا اس کا امیر اور سپہ سالار انھی کو مقرر کیا تھا اور عجب بات یہ ہے کہ اس لشکر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی ان کے ماتحت تھے۔ یہ اسلامی تعلیم ہے کہ امیر کی اطاعت ضروری ہے، خواہ وہ کم عمر کا ہو یا بڑی عمر کا، اپنی نسل کا ہو یا غیر نسل کا، بہر حال اس کی اطاعت کی جائے تو انھی حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ :۔

اَرسَلَتُ بِنتُ النَّبِی ﷺ اَنَّ ابنی قَدِ احتُضِرَ فَاشهَدنَا، فَارسَلَ یُقرِیٔ السَّلاَمَ وَیَقُولُ: اِنَّ لِلّٰهِ مَآ اَخَذَوَلَه' مَآ اَعطٰی وَکُلُّ شَئیٍ عِندَه' بِاَجَلٍ مُسَمًّی فَلتَصبِرُ وَلتَحتَسِبُ فَاَرسَلَتُ اِلَیه تَقسَّمَ عَلَیهِ لَیَاْ تِینَّهَا فَقَامَ وَمَعَه' سَعَدُ بنُ عُبَادَةَ وَ بُنُ جَبَل، وَ اُبَیُّ بنُ کَعَب، وَ زَیدُ بنُ ثَابِتٍ وَ رِجَال"	حضور اکرم ﷺ کی بیٹی نے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب الموت ہے لہذا آپ ﷺ تشریف لے آیئے تو آنحضرت ﷺ نے پیغام بھیجا کہ ان سے میرا سلام کہنا اور یوں کہنا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ لے لیں وہ اسی کا ہے اور جو کچھ وہ دے دے وہ بھی اسی کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، پس تم صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو، بیٹی نے پھر پیغام بھیجا اور قسم دیتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ میرے یہاں ضرور تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ،

رَضِیَ اللّٰہ عَنہُم، فَرفَعَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ الصَّبیَّ فَاقُعَدَہ، فِیُ حُجُرِہٖ وَ نَفُسُہ، تَقَعُقَعُ، فَفَاضَتُ عَیُنَاہ فَقَالَ سَعُدُ رَضِیَ اللّٰہ عَنہُ، ھٰذَا؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلیَّ اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمُ فَقَالَ: ھٰذِہٖ رَحُمَۃ" مَا جَعَلَھَا اللّٰہُ فِیُ قُلُوُبِ عِبَادِہٖ، وَاِنَّمَا یَرُحَمُ اللّٰہُ مِنُ عِبَادِہٖ الرُّحَمَاءِ ﴿متفق علیہ﴾	معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور کچھ لوگ بھی چلنے کے لیے تیار کھڑے ہوئے۔ (گھر پہنچے) تو بچہ آپ ﷺ کو دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھایا اور اس بچے کا سانس ٹوٹ رہا تھا، اس حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمادی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ہر حال میں توجہ اللہ کی طرف ہو

حضور اکرم ﷺ کی ان صاحبزادی کا نام میری یاد کے مطابق حضرت زینبؓ ہے ان کے بلانے کا مقصد یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے گھر تشریف لانے سے ذرا تسلی ہو جائے گی یا شاید یہ مقصد ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے بچے کی صحت لوٹ آئے اور اس کی جان بچ جائے تو آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ یہ تمھارا بچہ جو اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کا ہے لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اس کو واپس لے لے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور جو کچھ بھی کسی کو دیتا ہے وہ بھی اسی کا ہے اور دنیا میں کوئی چیز بھی ہمیشہ رہنے کے لیے

نہیں آئی، حتی کہ خود یہ دنیا بھی ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں ہے اس لیے تم کو صبر کر کے ثواب کی امید رکھنی چاہیے لیکن صاحبزادی کو اس پر قرار نہ آیا تو اپنی قسم دے کر دوبارہ بلا بھیجا، پہلی مرتبہ بلانے پر آپ ﷺ کے نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی توجہ اللہ ہی کی طرف رہے، انسانوں کی طرف نہ ہو۔

بیمار پرسی کے ثواب پر وارد احادیث

چونکہ رسول اکرم ﷺ نے بیمار مسلمان کی عیادت اور تیمارداری کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا وہاں جانے کے لیے پہلے ہی یہ ارادہ ہو جیسا کہ دوسری مرتبہ بلانے پر آپ ﷺ تشریف بھی لے گئے اور بیمار پرسی کا ثواب بھی اتنا بتایا گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ دارالعلوم سے فارغ شدہ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی کے صاحبزادے جو کہ مدینہ منورہ میں ہوتے ہیں انھوں نے ایک عربی رسالہ بنام "الا تعود مریضا" لکھا جس کا اردو میں ترجمہ دارالعلوم کے ناظم صاحب مدظلہ کے بیٹے مولوی حسان نے کر دیا ہے اس میں بیمار پرسی کرنے پر ثواب کے بارے میں اتنی حدیثیں ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان کا دل یہ چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر اسی کام میں لگ جائے۔ اور خود آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ اگر کوئی صحابیؓ نماز میں نہ ہوتے تو آپ ﷺ کو تشویش ہوتی کہ کہیں وہ بیمار تو نہیں ہو گئے کیونکہ صحابہ کرام سوائے بیماری کے، کسی صورت میں بھی مسجد آنے کو ترک نہ کرتے تھے پھر اگر آپ ﷺ کو ان کی بیماری کا علم ہوتا تو آپ ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے

جاتے اور کئی مرتبہ صبح کے وقت کئی کئی میل کا فاصلہ طے کر کے عیادت کرنے جاتے تھے۔ تو جب دوسروں کے ساتھ یہ معاملہ تھا پھر اپنے نواسے کے ساتھ کیوں نہ ہوتا؟ لیکن ایک تو تربیت مقصود تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا ہو کہ بچہ اب زندہ نہیں رہے گا اور اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں

خیر دوسری مرتبہ بلانے پر آپ ﷺ کچھ اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے، جاکر دیکھا تو بچے کا سانس ٹوٹ رہا تھا اور اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی اور یہ اس بچے کی کیسی خوش نصیبی تھی کہ جان نکلتے وقت رسول اکرم ﷺ کی گود مبارک میں تھا، اس حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ اشکبار ہو گئے تو حضرت سعد بن عبادہؓ کو تعجب ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہوئے؟ بظاہر انھوں نے یہ سمجھا کہ شاید آنسوؤں کا بہنا صبر کے خلاف ہے اس لیے انھوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ یعنی آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت اور محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمادی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ میرے آنسو اس لیے بہہ رہے ہیں کہ یہ میرا نواسہ ہے اور مجھے اس سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اسی بندے پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

کسی کو ناراض کر کے دین حاصل کرنا یا دین کا کوئی کام کرنا کوئی کمال نہیں

یہاں سے ایک کام کی بات اور سمجھ لیں کہ اگرچہ دوسرں پر رحم کرنا، بیمار پرسی کرنا اور کسی غم میں ہمدردی اور تعزیت کرنا بڑی عبادت اور ثواب کا کام ہے۔ خاص طور پر اپنے قریبی رشتہ داروں کا اور ان میں بھی والدین اور بیوی بچوں کا حق زیادہ ہے۔ کہ بیماری وغیرہ میں ان کی دیکھ بھال کی جائے چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی کا یہی معمول رہا کہ آپ ﷺ ہمیشہ حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام فرماتے تھے۔ بعض لوگ جب جذبات میں آتے ہیں تو حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اگرچہ وہ خدا کی رضا ہی کے لیے کرتے ہیں لیکن دین سے ناواقفیت کی بناء پر حد سے گزر جاتے ہیں مثلاً کسی کے دل میں علم دین حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ لیکن ماں کہہ رہی ہے کہ اگر تم میرے پاس سے چلے گئے تو میرا دل بے قرار رہے گا، لہذا تم نہ جاؤ یعنی وہ اجازت نہیں دیتی تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ماں ہے اور وہ اللہ ہے، ظاہر ہے کہ اللہ کا حکم ماں سے بڑھ کر ہے اس لیے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ اور جہاں تک ماں کا معاملہ ہے، وہ صبر کر لے گی جس کی وجہ سے اس کو بھی ثواب مل جائے گا اور تمھیں دین حاصل کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور جب وہاں جا کر دین کا کام کرو گے تو درجات بلند ہوں گے اور بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا، لہذا ماں کی ناراضگی کی فکر نہ کرو، وہ ان کے جھانسے میں آ کر چلا جاتا ہے تو یاد رکھیں! کہ یہ کوئی دین کی بات نہیں بلکہ، رسول اکرم ﷺ کی عادت شریفہ اور تعلیمات کے خلاف ہے۔

ماں کی ناراضگی میں اللہ کی نافرمانی ہے

ایسے ہی ایک آدمی جہاد میں ایسی حالت میں جانا چاہتا تھا کہ اس پر جہاد فرض نہیں ہے اور ویسے بھی عام طور پر جہاد فرض کفایہ ہے تو کچھ مجاہدین کے ترغیب دلانے پر وہ آدمی کہتا ہے کہ میرے والدین اجازت نہیں دیتے تو وہ کہتے ہیں کہ ادھر والدین ہیں اور ادھر تمھیں اللہ جہاد کے لیے پکار رہا ہے اور قرآنی آیات سناتے ہیں اور یہ مشورے وہی لوگ دیتے ہیں جو قرآن وحدیث کو صحیح طور پر سمجھتے ہی نہیں ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کو تبلیغ کا شوق ہوتا ہے، جس کو تبلیغ کی جا رہی ہے وہ کہتا ہے کہ میری ماں بیمار ہے تو یہ آگے سے کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں! اللہ شفاء دیں گے تم کو اللہ کے راستے میں نکلنا چاہیے، وہ کہتا ہے کہ بھائی! میری ماں کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں تو آگے سے کہتے ہیں کہ کیا تم اللہ سے زیادہ خدمت کر سکتے ہو؟ اللہ میاں خود اس کی دیکھ بھال کر لیں گے، اگر دوا لانے کا کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ جب بیماری ہی نہ رہی تو دوا کی کیا ضرورت؟ تمھیں اتنا اتنا ثواب ملے گا اس لیے چلہ لگاؤ تو یہ تمام صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں شرعی حدود سے تجاوز ہے۔ یاد رکھیئے! کہ دین کا جو کام بندوں کے حقوق کو پامال کر کے ادا کیا جائے، وہ اللہ کی رضا کا کام نہیں بلکہ اللہ کی نافرمانی کا کام ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو کہ اب بھی حیات ہیں اور ایک

بہت بڑے بزرگ کے خلیفہ ہیں، مشہور عالم دین اور بڑے محترم ومکرم ہیں، ان کا واقعہ ہمیں ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ صاحب عارفیؒ نے سنایا کہ وہ بزرگ سفر میں ایک تبلیغی دورے پر نکلے ہوئے تھے، جگہ جگہ ان کی تقریریں اور وعظ ہوتے تھے۔ اگرچہ وہ تبلیغی جماعت کے نہیں بلکہ مشہور عالم دین ہیں لیکن زندگی اب بھی ان کی تبلیغ ہی کے کاموں میں ہے، بڑا موثر ان کا وعظ ہوتا ہے اور اللہ نے دنیا کو ان سے بہت فائدہ پہنچایا ہے، لیکن شیخ کی جو تربیت درکار ہوتی ہے، وہ ان کو نہیں ملی چنانچہ ان کے مزاج میں وہ اعتدال نہیں آیا جو دین اسلام اور خاص طور پر تصوف اور فنِ طریقت کی بنیاد ہے۔ تو یہ سفر میں تھے اور وطن میں ماں بیمار تھی اس نے ٹیلیفون کروایا یا تار کے ذریعے پیغام بھیجا کہ میرا آخری وقت ہے اس لیے تم میرے پاس آجاؤ تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں مشغول ہوں، فلاں جگہ بھی جانا ہے اور فلاں سے وقت بھی مقرر کر رکھا ہے، اس لیے ذرا بعد میں آؤں گا تو پھر دوبارہ تار آیا، وہ دوسرے شہر میں تھے، کہلا بھیجا کہ آؤں گا لیکن وہ وہاں پر پہنچے نہیں یہاں تک کہ ماں بیچاری بیٹے کو ترستے ترستے دنیا سے رخصت ہو گئی تو حضرت فرماتے تھے کہ انھوں نے یہ کام اپنی بزرگی کے خلاف کیا، اگر ان کے شیخ حیات ہوتے تو کبھی ان کو اس بات کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت والد صاحبؒ کا طرزِ عمل

ہماری دادی مرحومہ، جن کا مزار دارالعلوم ہی کے قبرستان میں ہے اور انھوں نے (تقریباً) سو سال کی عمر میں وفات پائی تھی، حضرت

گنگوہیؒ سے بیعت تھیں اور ان کی حالت یہ تھی کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ، اللہ نکلتا تھا حالانکہ ان پڑھ تھیں حتیٰ کہ ناظرہ قرآن کریم بھی نہ پڑھا تھا لیکن حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کی برکت تھی کہ زندگی میں اتنا ذکر کیا تھا کہ جسم لاغر ہونے کی وجہ سے ہم ان کی رگوں کو دیکھتے تھے اور ان کی ہر سانس سے اللہ کا نام نکل رہا ہوتا تھا اور سوتے سوتے بھی ایسا ہوتا تھا اس کی باقاعدہ آواز ہم سنا کرتے تھے۔ ہم لوگ اکٹھے ہی رہتے تھے تو بکثرت ایسا دیکھنے میں آیا کہ اچانک رات کو سوتے سوتے آنکھ کھل جاتی اور دادی کے کمرے کی روشنی جلتے ہوئے دیکھتے تو وہاں جاکر دیکھتے کہ پاکستان کا مفتی اعظم اور فقیہ ملت بیٹھا ہوا اپنی والدہ کے پاؤں دبا رہا ہے، دن بھر تدریس، فتاویٰ تصنیف و تالیف کی مصروفیت ہے اور رات کو پاؤں دبارہے ہیں اور کبھی ہم سے نہیں کہا کہ دادی کے پاؤں دبادو، نہ ہماری والدہ سے کہا کہ اپنی ساس کے پاؤں دبادو بلکہ فرماتے تھے کہ یہ میری ماں ہے لہذا ذمہ داری بھی میری ہے۔ غرض اس طریقے سے زندگی بھر اپنی ماں کی خدمت کی۔ انتقال سے پہلے ایک مہینہ تقریباً بیماری کا گذرا تو ہماری جو سب سے چھوٹی بہن لاہور میں ہے ان کو حضرت والد صاحبؒ نے پیغام بھیجا کہ تمھاری دادی بیمار ہیں اور تم سے زیادہ محبت ہے اس لیے تم آجاؤ تو ان کو تسلی ہو جائے گی۔ چنانچہ ہماری بہن آگئیں اور تقریباً ایک مہینہ تک ہماری دادی کے پاس انھی کے کمرے میں رہیں۔ ہماری دادی کے ایک نواسے "فخر عالم" مرحوم بھی موجود تھے جو کہ دارالعلوم کے ناظم ترقیات بھی تھے، ان کے والدین کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا تو ان کو ہماری دادی نے پالا تھا اس لیے وہ بھی ہمارے ساتھ رہتے تھے تو حضرت والد صاحب فخر عالم مرحوم اور ہماری بہن تینوں ہی ہماری دادی صاحبہ کی خدمت

میں لگے رہتے تھے لیکن قضاء الٰہی سے ان کا انتقال ہو گیا۔

صرف ایک حسرت ہے!

اس سارے قصے کو بیان کرنے کے بعد میں اصل مقصد بتاتا ہوں کہ جب حضرت والد صاحبؒ کی وفات کا وقت آیا تو کچھ دن پہلے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ہر خواہش اور آرزو کو پورا کر دیا اور اس دنیا سے کوئی حسرت نہیں لے کر جا رہا لیکن ایک حسرت ایسی ہے جو مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور وہ ہے صبر ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ وہ حسرت کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب میری ماں کی موت کی بیماری شروع ہوئی تو میں نے تمھاری بہن کو بھی ان کی خدمت کے لیے بلا رکھا تھا، فخر عالم کو بھی لگا رکھا تھا اور الحمد للہ میں خود بھی خدمت کرتا تھا لیکن میری ماں کی خواہش یہ تھی کہ شفیع میری آنکھوں سے اوجھل نہ ہو تو اگرچہ میں نے ان کی خدمت کی لیکن اس وقت شیطان نے مجھے بہکا دیا کہ تدریسی، تالیفی اور فتاویٰ کا کام اور فلاں فلاں دینی کام بھی سرانجام دینے ہیں، ماں کی خدمت کے لیے اتنے لوگ ہیں تو سہی اس لیے تم ان کاموں کو کر لو۔ تو جب میرے دل میں یہ حسرت باقی ہے تو میرا دل بڑا چاہتا ہے کہ میں اپنے سارے فتووں کو اور ساری تصنیفات وغیرہ کو آگ لگا کر اپنی ماں کے قدموں میں چلا جاتا' تو یہ ایسی حسرت ہے جو میرے دل میں ابھی تک ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ یہ پاکستان کے سب سے بڑے مفتی اور فقیہ کی حسرت ہے جس کے تفقہ کو پوری دنیا مانتی ہے، معلوم ہوا کہ شریعت میں ہر چیز کا ایک درجہ ہے،

بندوں کے حقوق علیحدہ ہیں اور اللہ کے حقوق علیحدہ ہیں۔

ظاہر کو باطن پر یا باطن کو ظاہر پر موقوف نہ کرو

یہاں پر ایک بات اور سمجھ لیں کہ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی دی جاتی ہے کہ اصل چیز تو باطن کی صفائی ہے، اس لیے تم باطن کی صفائی کرو اور ظاہری اعمال یعنی نماز، حج، زکوۃ سب موقوف ہو گئے اور باطنی صفائی حاصل ہو گی ہماری خانقاہ میں آنے سے۔ یاد رکھیں! کہ صفائی پیدا نہیں ہو گی بلکہ گندگی مزید بڑھ جائے گی لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ ظاہری اعمال کو ترک نہ کرو کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے اور اسی طرح باطن کا اثر ظاہر پر ہوتا ہے یعنی ایک کو دوسرے پر موقوف نہ کرو، جس طرح نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج ادا کرتے ہو اسی طرح ادا کرتے رہو، اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کرو، اللہ والوں کی صحبت بھی اختیار کرو جس کے نتیجے میں باطنی اصلاح نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے تو تقویٰ باطنی عمل اور روزہ ظاہری عمل لیکن اس کی وجہ سے تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے، معلوم ہوا کہ ظاہر کو باطن سے اور باطن کو ظاہر سے تقویت ملتی ہے، لہٰذا کسی کو بھی ترک نہ کرو، بس کوشش میں لگے رہو۔ چونکہ صبر بھی باطنی اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے اس لیے یہاں پر اس بات کو بطور جملہ معترضہ کے ذکر کر دیا لیکن انشاء اللہ فائدے سے خالی نہیں ہے اور تزکیہ پیدا ہوتا ہے، بزرگوں کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے، صرف کتابوں کے پڑھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب آپ اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں گے تو ان کے طریقے کو دیکھیں گے اور ظاہر

ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ اس اثر کی وجہ سے آپ میں بھی وہ رنگ پیدا ہو جائے گا، اسی لیے اللہ والوں کی صحبت کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ان کے اعمال کو دیکھ کر انسان کی دلی اصلاح ہوتی ہے۔

صبر کے بارے میں ایک حدیث

حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص غصہ پی جائے" یعنی اس غصے پر عمل نہ کرے "وَ هُوَ قَادِر" "عَلٰی اَنْ یَّنْفَذه" حالانکہ اس کو قدرت تھی کہ وہ اپنے غصے کے مطابق عمل کر سکتا تھا مثلاً کسی نے کوئی گالی دی تو آپ کا دل چاہا کہ اس کو تھپڑ مار دیں اور مارنے کی طاقت بھی تھی، اس کے باوجود آپ نے غصے کو پی لیا "دَعَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَه' عَلٰی رُؤسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" تو قیامت کے دن جبکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک کے آدمی جمع ہوں گے، ان تمام آدمیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اس شخص کو بطور اعزاز و اکرام کے بلائے گا اور اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر کے لے لے، اتنے صبر پر اتنا بڑا ثواب دیا جا رہا ہے۔ تو صبر ایک باطنی عمل ہے اور اس باطنی عمل کے ذریعے ظاہر کا عمل صحیح ہوا کہ یہ معافی کا سبب بن گیا۔

نبی کریم ﷺ کی وصیت

"ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا

کہ یا رسول اللہ! مجھے وصیت اور نصیحت کر دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا "لَاتَغْضِبْ" کہ غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے پھر عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمادیجیے آپ ﷺ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو"

غرضیکہ جتنی مرتبہ اس نے سوال کیا، آپ ﷺ نے ہر دفعہ اس کو یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو، بظاہر اس کی وجہ یہ ہو گی کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو گا کہ یہ مغلوب الغضب آدمی ہے کہ اسے غصہ زیادہ آتا ہے جس سے خطرہ ہے کہ غصہ کے عالم میں شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کر بیٹھے، اسی لیے آپ ﷺ نے اس کو بار بار غصہ نہ کرنے کی وصیت کی تو غصہ کو پی جانا بھی صبر ہے۔ معلوم ہوا کہ صبر کی بڑی اہمیت ہے اور انسان کو ہر موقع پر صبر سے کام لینا چاہیے۔

مومن کی تکالیف وقتی ہوتی ہیں

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد و عورت پر طرح طرح کی بلائیں، تکلیفیں اور مصیبتیں آتی رہتی ہیں۔ اس کی وجہ عرض کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمانے کے لیے مصائب اور تکالیف بھیجتے ہیں جبکہ کافروں کی سزا کو روک لیا جاتا ہے کہ آخرت میں اکٹھی دیدی جائے گی۔ ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اس کی مثال دی کہ تم نے کھیتی کو دیکھا ہو گا کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ مسلسل ہلتی رہتی ہے بخلاف صنوبر کے درخت کے، کہ جتنی مرضی ہوا چلے، وہ سیدھا ہی رہتا ہے، ہلتا نہیں تو کھیتی کی مثال مومن کی سی ہے اور صنوبر کے درخت کی مثال کافر کی سی ہے کہ کافر پر دنیا میں بلائیں

اور مصیبتیں نہیں آتیں جب کہ مسلمان اور مومن پر آتی ہیں۔ لیکن جھکڑ اور آندھیاں کتنی ہی آجائیں، کھیتی کا کچھ نہیں بگڑتا وہ پھر ٹھیک ہو جاتی ہے لیکن اگر جھکڑ چلنے لگے اور آندھی آجائے تو صنوبر کا درخت اپنی جڑ سے ہی اکھڑ جائے گا تو مومن اور کافر کا حال بھی بالکل ایسے ہی ہے کہ مومن پر تکلیفیں آتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں اور کافر خبیث ایک دم اکھڑے گا اور ایسا اکھڑے گا کہ دوبارہ اس کے جمنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ مومن پر طرح طرح کی بلائیں آتی رہتی ہیں اور یہ بلائیں کبھی خود اس پر آتی ہیں، کبھی اس کی اولاد پر کوئی پریشانی آجاتی ہے کہ بچہ بیمار ہو گیا، چوٹ لگ گئی، انتقال ہو گیا وغیرہ وغیرہ اور کبھی مال میں نقصان ہو جاتا ہے کہ چوری اور ڈکیتی وغیرہ ہو جاتی ہے تو جب قیامت کے دن وہ اللہ جل شانہ کے دربار میں حاضر ہو گا تو اس کا کوئی گناہ نہ ہو گا یعنی مصیبتوں کے آنے کی وجہ سے اس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔

حقیقی پہلوان کون ہے؟

اگلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ﴾

(وفی مشکوۃ ۴۳۳ عن ابی ھریرۃ وفی البخاری صفحہ ۹۰۳ ج ۲)

”کہ طاقتور اور مضبوط آدمی وہ نہیں ہے جو دوسرے

کو پچھاڑ دیتا ہو حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت
اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔"

مثلاً دو آدمیوں کے درمیان کشتی ہوئی تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو پچھاڑ دیا، اسی طرح دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوئی تو ایک نے دوسرے کو گرا کر ہرا دیا تو صحیح معنی میں قوی آدمی یہ نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قوی شخص وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ عام طور پر طاقتور اسی شخص کو سمجھا جاتا ہے جو اپنے مدِ مقابل کو پچھاڑ دے لیکن اس سے زیادہ قابل تعریف طاقتور وہ ہے جو اپنے آپ کو غصے کے وقت قابو میں رکھے۔ دنیا میں آپ کو بہت سے نامی گرامی پہلوان رستم زماں، رستم ہند اور رستم پاکستان مل جائیں گے جو واقعی طاقت کے اعتبار سے پہلوان تھے لیکن دوسرے کو پچھاڑ دینا اہم کام نہیں ہے جتنا غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اہم کام ہے۔

سب سے بڑا فاتح

مثلاً ایک آدمی کو کسی پر غصہ آرہا ہے، اور اس کو غصے پر قدرت بھی ہے، اور اس کو یہ معلوم ہے کہ اس غصے کا مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ کوئی دوسرا شخص مجھ سے بدلہ نہیں لے سکتا لیکن پھر اس کو اللہ کا خوف آجاتا ہے کہ اگر اس کو ماروں گا تو ظلم ہو جائے گا اور ناانصافی ہو جائے گی اور اگر ناانصافی ہو گئی تو اللہ کی ناراضگی کے خوف سے وہ رک جاتا ہے، درحقیقت یہی مشکل کام ہے جو اس نے کر دکھایا اور جس شخص کو اپنے نفس پر قدرت حاصل ہو گئی تو یہ شخص سب سے

بڑا فاتح ہے کیونکہ نفس، شیطان سے بڑھ کر خبیث ہے کہ ہر وقت انسان کو طرح طرح کے گناہوں کا لالچ دیتا رہتا ہے تو جو آدمی کمزور ہے وہ نفس کا غلام بن جائے گا اور تباہی کے گڑھے میں جا گرے گا لیکن جو شخص اپنے نفس کے گھوڑے کو لگام دے کر رکھے گا وہ درحقیقت طاقتور ہے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کا نام ہی صبر ہے۔

حضرت علیؓ کا سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ ایک یہودی نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ غالبًا یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اور حضرت علیؓ کی خلافت کا ہے اور یہ جرم ایسا ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ حضرت علیؓ کے سامنے ایک یہودی آنحضرت ﷺ کو گالی دے اور آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے لیکن یاد رکھیں! کہ قتل کرنے کا اختیار ہر ایک کو نہیں ہے بلکہ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص ایسا سنگین جرم کرے، اس کو عدالت میں پیش کیا جائے اور گواہوں سے اس بات کو ثابت کیا جائے کہ اس نے یہ الفاظ بول کر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے، جب یہ بات ثابت ہو چکے تو اس عدالت کا یہ فرض ہے کہ اس شخص کو سزائے موت کا حکم سنائے جیسا کہ پچھلے دنوں میں اس نوعیت کا ایک واقعہ پیش آچکا ہے لیکن یاد رکھیں! کہ ہر آدمی قتل نہیں کر سکتا ورنہ تو ہر آدمی دوسرے کو قتل کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی شان میں

گستاخی کی تھی اور یوں قتل و غارت گری عام ہو جائے گی اور امن و امان ختم ہو جائے گا۔

اس یہودی نے حاکم وقت حضرت علیؓ کے سامنے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کر دی تو چونکہ جرم ظاہر تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اسے زمین پر پٹخا اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور خنجر نکال کر اس کے سینے میں گھونپنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی نے فوراً اپنا خنجر روک لیا چند سیکنڈ رُکے اور پھر اس کے اوپر سے ہٹ گئے اور اس کو چھوڑ دیا۔ لوگ حیران رہ گئے کہ ابھی تو یہ اسکو قتل کر رہے تھے اور اب اس نے منہ پر تھوک دیا تو اس کو چھوڑ دیا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں پہلے جو اس کو قتل کر رہا تھا تو وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے تھا اور شریعت کا قانون تھا۔ لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے اپنی ذات کی وجہ سے اس پر غصہ آیا کہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے، میرا دل چاہا کہ میں اس کو فوراً قتل کر دوں مگر فوراً اللہ نے میری دستگیری کی اور مجھے خیال آیا کہ اب اگر میں اس غصے کی حالت میں اس کو قتل کروں گا تو یہ اپنے نفس کے لیے قتل کرنا ہو جائے گا۔ لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ خود فیصلہ کر کے بتائیں کہ یہ کام جو حضرت علیؓ نے کیا، یہ زیادہ مشکل ہے یا کسی طاقتور کو پچھاڑ دینا زیادہ مشکل ہے ظاہر ہے کہ یہی کام زیادہ مشکل ہے اور ایسا مشکل کام ہے کہ بڑے بڑے لوگ اس میں فیل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس نے اللہ والوں کی صحبت حاصل کر کے ریاضت کی ہو، مجاہدے کیے ہوں اور صبر کی عادت ڈالی ہو۔ جس کو اپنے نفس پر قابو ہو گا وہی شخص یہ کام کر سکتا ہے لیکن اگر ایک آدمی بڑے

سے بڑا پہلوان ہونے کے باوجود نفس پر قابو نہ رکھتا ہو تو وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؓ کے پاس طاقت بھی تھی اور ان کو اس پر قدرت بھی تھی کہ سینے پر سوار تھے اور کسی سے انتقام کا اندیشہ بھی نہ تھا تو قتل بھی کر سکتے تھے اور اس پر مزید یہ کہ اس نے چہرے پر تھوک دیا لیکن انھوں نے اپنے نفس پر قابو رکھا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اپنے وقت کے سب سے بڑے پہلوان تھے کیونکہ ان کو اپنے نفس کے گھوڑے پر قابو حاصل تھا۔

کیا ہمارے اندر ملکۂ صبر پیدا ہوا؟

اسی سے ایک اور بات سمجھ لیں کہ صبر عمل ہے دل کا، لیکن آپ دیکھیں گے دل کے عمل کے اثرات جسمانی اعمال پر واقع ہو رہے ہیں، اور تمام ظاہری اعمال پر پڑ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اندر ایک بہت بڑا باب تزکیہ نفس کا ہے کہ اپنے نفس سے بری عادتوں کو چھڑانا اور اچھی عادت ڈالنا۔ صبر یہی باطنی عمل ہے لیکن گذشتہ سارے بیان کو سن کر میرے یا آپ کے دل میں صبر کا ملکہ پیدا ابھی ہوا کہ نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ملکہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ میں آپ کو آم کا ذائقہ بتا دوں، اس کی تعریف کر دوں اور خوب لمبی تشریح کر دوں کہ آم کا پھل وہ ہوتا ہے جو اصل میں ہندوستان میں ہوتا تھا، اس کی بہت ساری قسمیں تھیں پھر پاکستان بننے پر یہاں بھی آم کی مزید قسمیں پیدا ہو گئیں اور ایک مہینے تک اس پر تقریر کرتا رہوں تو کیا آپ کو آم کی حقیقت حاصل ہو جائے گی؟ ظاہر ہے کہ

نہیں معلوم ہو گی بلحہ اس کی حقیقت ایسے معلوم ہو گی کہ بازار سے جا کر ایک آم خرید کر اس کو کھالو، معلوم ہو جائے گا کہ آم کیا ہو تا ہے؟ اور کسی لمبی تقریر کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔

صرف کتابوں سے قلبی کمالات حاصل نہیں ہوتے

ہمارے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے جب ہم نے کتابوں میں صبر، شکر، قناعت، توکل، استغناء، تواضع اور تقویٰ کے الفاظ پڑھے تو ہم نے ان کا ترجمہ ہی پڑھا تھا اور تعریفات ہی کی تھیں لیکن ان الفاظ کو چکھا نہیں تھا۔ جب تھانہ بھون گئے تو ان کو چکھنے کا موقع ملا اور اسی سے معلوم ہوا کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف کتابوں سے قلب کے یہ کمالات حاصل نہیں ہو سکتے بلحہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کے اعمال کو دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی سمجھ میں ان ساری چیزوں کی حقیقت آجاتی ہے اور یہ سب ایسے باطنی اعمال ہیں کہ جن کا تقاضا شریعت نے کیا ہے۔ تکبر سے بچنا فرض ہے اور یہ باطنی گناہ ہے۔

فرائض کے دو استعمال

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ فرائض صرف وہ نہیں ہیں جو ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تبلیغ، جہاد، تصنیف، پڑھنا، پڑھانا اور مطالعہ کرنا وغیرہ یہ سب

نیک کام ہیں اور اپنے اپنے درجے میں کوئی فرض عین ہے۔ تو کوئی فرض کفایہ ہے وغیرہ لیکن باطنی اعمال بھی تو اس طرح بہت زیادہ ہیں اور ان میں بھی فرائض ہیں مثلاً صبر فرض ہے، اور صبر کا ایک درجہ تو فرض عین ہے جس کے بہت فضائل ہیں تو ظاہری اعمال کو تو آپ کتابوں کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں لیکن باطنی اعمال مثل صبر و توکل کے کہ وہ نظر نہیں آتے اور نہ ہی چھو کر ان کو معلوم کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو دل کے اعمال ہیں۔ آپ کے دل میں تکبر ہے یا تواضع و انکساری، مجھے نظر نہیں آسکتی اور نہ ہی دل چیر کر ان کو دیکھ سکتا ہوں بلکہ وہ اس طریقے سے معلوم ہوتے ہیں کہ انسان کے ظاہر پر ان کا اثر پڑتا ہے مثلاً جو شخص متکبر ہوگا، اس کے اعمال اور طرح کے ہوں گے، دوسروں کے ساتھ اس کی گفتگو بھی دلخراش ہوگی اور دوسروں سے ملنے کا انداز بھی بے اعتنائی کا ہوگا اور اگر اس کو کسی کمزور آدمی پر ظلم کرنے کا موقع مل جائے تو وہ ظلم کرنے سے چونکے گا نہیں۔ اور اگر عاجز و انکساری والا ہے تو اس کے اعمال سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔

خوبی یا برائی کی جڑ مرکز میں ہوتی ہے

معلوم ہوا کہ باطنی اعمال کا اثر بھی ظاہری اعمال پر پڑتا ہے اور درحقیقت ظاہر کے جتنے بھی گناہ ہوتے ہیں، ان سب کی جڑ کوئی باطنی بیماری ہوتی ہے اور اگر اچھے اعمال ہیں تو ان کی باطنی خوبی ہوتی ہے اور وہ اس پر متفرّع ہوتے ہیں اگر آپ کے ساتھ کوئی شخص ہمدردی والا معاملہ کرتا ہے تو اس کی وجہ

یہ ہے کہ اس کے دل میں رحم ہے اور ظاہر ہے کہ رحم باطنی عمل ہے اور اسی طرح حضرت علیؓ کا واقعہ ہے جو میں نے سنایا کہ انھوں نے اس یہودی کو چھوڑ دیا اس کی دو وجہیں تھیں۔ ان کے دل میں تقویٰ تھا۔ ان کے دل میں صبر تھا کیونکہ اگر ان کے اندر صبر کا مادہ نہ ہوتا تو وہ اس یہودی کو کبھی نہ چھوڑتے لیکن انھوں نے اسے چھوڑ دیا اور جیسے ہی انھوں نے اسے چھوڑ دیا تو وہ فوراً مشرف باسلام ہو گیا۔ کہ جس نبی ﷺ کے غلام ایسے عظیم ہیں کہ اتنے شدید غصے میں بھی نفس کو قابو میں رکھا تو وہ نبی کریم ﷺ خود کیسے عظیم ہوں گے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں قابل تعریف اور طاقتور انسان وہ ہے جو غصہ کے وقت میں اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے۔ بہر حال یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کے ظاہری اعمال کا منبع اور مرکز دل میں ہوتا ہے، اگر دل میں اس کا مرکز ٹھیک ہے تو ظاہری اعمال بھی ٹھیک ہونگے اور اگر مرکز خراب ہے تو اعمال بھی خراب ہوتے چلے جائیں گے۔

تزکیہ نفس فرض عین ہے

مثلاً جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو گا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ پر اس کو توکل بھی ہے کہ اسباب بھی اس کے حکم کے بغیر اثر نہیں رکھتے اور قناعت بھی اس کے دل میں ہو کہ جو کچھ اللہ نے دے دیا اسی پر قناعت کرے اور ناجائز طریقے سے کمانے کی کوشش نہ کرے ایسا شخص کبھی بھی رشوت نہیں لے گا خواہ اس کو کیسی ہی اہم ضرورت پیش آجائے، سود نہیں لے گا، تجارت میں دھوکہ بازی نہیں کرے گا اور ناپ تول میں کمی نہیں کرے گا اور جس شخص کے

دل میں یہ صفات نہیں تو وہ یہ سارے کام کرے گا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے تمام اچھے یا برے اعمال کا مرکز دل ہے اور اس دل کا تزکیہ فرض عین ہے اور فرض عین بھی اسی وجہ سے ہے کہ اگر دل ٹھیک نہیں ہو گا تو باقی اعضاء بھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اَلاَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مَضْغۃ" اِذَا صَلُحَتُ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہ، وَاِذَا فَسَدَتُ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہ، اَلاَ وَھِیَ الْقَلْبُ"

" کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم صحیح کام کرتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارے جسم کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں اور گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔"

تو دل کا تزکیہ کر لو یعنی دل کے جتنے اعمال ہیں ان سب کو حاصل کرو، جب دل کا تزکیہ ہو جائے گا تو ظاہر کے اعمال بھی ساتھ ساتھ ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے اور صبر بھی انھی باطنی اعمال میں سے ہے جس کا اثر انسان کے ظاہر پر پڑتا ہے جس کے اندر صبر ہو گا اس کے مطابق اس کے سارے اعمال ہوں گے جیسا کہ میں نے حضرت علیؓ کا واقعہ بیان کیا۔

تزکیۂ باطن کیا ہوتا ہے؟

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ باطن کا تزکیۂ اور اصلاح اور باطن کے نیک اعمال کو اختیار کرنا اور باطن کے برے اعمال سے اپنے نفس کو بچانا، ”تزکیۂ باطن“ کہلاتا ہے، اس کو ”تزکیۂ قلب“ بھی کہا جاتا ہے، اسی کا نام ”عرفان“ ہے، اسی کو ”طریقت“، ”تصوف اور سلوک“ کہتے ہیں یعنی یہ سارے نام ایک ہی چیز کے ہیں اور وہ ہے تزکیۂ باطن۔

لوگوں اور عوام الناس کے اندر بعض بڑی بڑی احمقانہ باتیں مشہور ہو جاتی ہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے، طریقت اور چیز ہے یعنی شریعت الگ چیز ہے اور طریقت ایک الگ چیز ہے۔ آج کل کے بعض نام نہاد صوفی در حقیقت شیطان ہوتے ہیں اور ایمان کے ڈاکو ہوتے ہیں، تصوف کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کو اپنے کھانے، کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

دھوکہ باز پیر

تو ایسے ہی ایک ڈاڑھی منڈے ہوئے پیر صاحب تھے، نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتے، نامحرم عورتیں سامنے آتی ہیں تو ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں کسی نے پوچھا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ کہا کہ ہم یہاں تھوڑی نماز پڑھتے ہیں۔ ہم تو بیت اللہ میں جاکر نماز پڑھتے ہیں کیونکہ ہماری نماز یہاں نہیں

ہوتی! تو اس نے کہا کہ وہ نماز کب ہوتی ہے ؟ کہنے لگے کہ تمھیں اس سے کیا کام ؟ ہم کسی کے سامنے نماز نہیں پڑھتے ایسے ہی بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز تو شریعت کا حکم ہے ، جبکہ طریقت دوسری چیز ہے کہ اس میں دل تو نماز پڑھتا ہے لیکن ہمارے ہاتھ ،پاؤں نماز نہیں پڑھتے۔ یادرکھیں! کہ یہ سب ایمان کے ڈاکو ہیں۔

ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت نمونہ ہے

ذرا سوچیں کہ رسول اللہ ﷺ کے برابر کون شخص کامل ہو گا؟ لیکن مسجد نبوی ﷺ میں پانچوں وقت امامت کراتے تھے غزوات اور جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تھے ، تبلیغ کے کاموں کے لیے تشریف لے جاتے تھے ذرا بتایئے کہ روزہ، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ میں کون سا عمل ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑ رکھا تھا؟ اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کرامتوں کا ظہور ہونا طریقت ہے اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ تعویذ، گنڈے کا نام طریقت ہے، کسی نے یہ سمجھا کہ جھوٹی سچی پیشین گوئیوں کا نام تصوف ہے۔

ایک دھوکہ باز پیر کا واقعہ

ایک نام نہاد جاہل صوفی صاحب تھے، عورتیں ان سے آکر پوچھا کرتی تھیں کہ میرے لڑکا ہو گا یا لڑکی، تو انھوں نے ایک آسان نسخہ بنا رکھا تھا کہ کہہ دیتے تھے ”لڑکا نہ لڑکی“ کوئی پوچھتا کہ اس کا مطلب کیا ہے ؟ تو کہہ دیتے کہ معلوم ہو جائے گا! ایسے ہی ایک آدمی نے ان سے پوچھا ہوا تھا کہ میرے

ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ؟ وہ آ کر کہنے لگا کہ میرے ہاں لڑکا ہوا ہے، تو کہنے لگے کہ ہاں! میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لڑکا، نہ لڑکی۔ ایک دوسرا شخص آ کر کہنے لگا کہ آپ نے تو کہا تھا لڑکا نہ لڑکی جبکہ میرے یہاں لڑکی ہوئی ہے تو کہنے لگے میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ لڑکا نہ، لڑکی اور اگر کسی کے کچھ بھی نہ پیدا ہوتا تو کہہ دیتے کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ لڑکا نہ لڑکی۔ یعنی الفاظ وہی تھے، بس لہجہ بدل کر اپنا کام چلاتے تھے۔

ایک اور واقعہ (ساری میراث کی مالک ماں بن گئی)

اسی طریقے سے ایک اور پیر صاحب تھے کسی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا باپ تھا نہیں، ماں، بہن، بھائی زندہ تھے تو ماں ان پیر صاحب کے پاس چلی گئی اور پیر صاحب سے کہنے لگی کہ ساری میراث ان میں تقسیم ہو جائے گی، کوئی ایسا طریقہ نکالو کہ ساری میراث مجھے ہی مل جائے تو پیر صاحب نے کہا کہ کل آنا۔ اگلے دن پیر صاحب کے پاس آئی تو پیر صاحب کہنے لگے کہ قرآن سے حکم مل گیا ہے وہ کہنے لگی کہ وہ کیسے ؟ تو انھوں نے کہا کہ قرآن کھولو اور پڑھو "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ" تو قرآن سے معلوم ہو گیا کہ سارا کا سارا مال ماں کا ہے تو ایسے بھی گرہ کٹ اور دھوکہ باز ہیں جو طریقت اور تصوف کے نام پر لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور ان کو طرح طرح سے دھوکے دے رہے ہیں۔ (اللہ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے)

یاد رکھیے! کہ ان میں سے کسی چیز کا نام تصوف اور طریقت

نہیں، بلکہ تصوف اور طریقت تو باطنی اعمال کی اصلاح کو کہتے ہیں تاکہ اس کی بدولت ظاہری اعمال صحیح ہو جائیں، اگر باطنی اصلاح نہیں ہو گی تو ظاہر کے اعمال بھی صحیح نہیں ہوں گے، اگر باطن کے اندر صبر نہیں ہو گا تو ظاہر کے اعمال میں بے صبری کا ظہور ہو گا، اگر قناعت نہیں بلکہ دل میں طمع ہے تو وہ لالچ ہی کے تحت سارے کام کرے گا، اگر حسد دل میں ہے تو اس کے مطابق ظاہری اعمال کرے گا۔ تو طریقت، تصوف، احسان اور سلوک سب کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ باطنی اعمال کی اصلاح ہو جائے تاکہ ظاہر کے اعمال اس کے مطابق درست ہو جائیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے اور ہمیں صبر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مسلم تاجر کی ذمّہ داری

موضوع : مسلم تاجر کی ذمہ داری

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : جامع مسجد شہداء لاہور

باہتمام : محمد ناظم اشرف

مسلم تاجر کی ذمہ داری

بعد از خطبہ مسنونہ ۔ اما بعد فاعوز بالله من الشیطن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لاَ تَاۡ کُلُوۡآ اَمۡوَا لَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلا اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِنۡکُمۡ وَلاَ تَقۡتُلُوۡآ اَنۡفُسَکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ○ (سورہ النساء آیت نمبر ۲۹)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یہ آیت میں نے اس لئے منتخب کی کہ میرے دوستوں نے مجھے جب یہاں آنے کی دعوت دی تو اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ میں اسلامی معیشت

سے متعلق عرض کروں، اس سلسلے میں مذکورہ آیت قرآنی تلاوت کی گئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ وہ تجارت ہو باہمی رضامندی سے، اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔

اسلام دین ہے

یہ آیت اسلام کے اصول تجارت و معیشت کی بنیاد اور روح ہے اور اس سلسلے میں جتنی تفصیلات ہیں وہ سب اسی کی فروع ہیں۔ یہاں ایک بات واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ تجارت و معیشت، ملازمت و مزدوری اور کھیتی و کاشت کاری کو دنیا کا کام سمجھتے ہیں۔ میں اس غلط فہمی کا ازالہ اس تفسیر سے کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم لوگ دین اسلام کے پیروکار ہیں، لیکن لوگوں نے اسلام کو صرف ایک مذہب سمجھ رکھا ہے جو کہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یاد رکھئے! اسلام صرف مذہب کا نام نہیں ہے چنانچہ پورے قرآن میں اسلام کو کہیں بھی مذہب نہیں کہا گیا اور نہ ہی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو مذہب فرمایا بلکہ اگر اس کا ذکر ہوا تو فرمایا اسلام دین ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے"

نیز ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ

يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۵)

نیز ارشاد ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (سورہ المائدہ آیت نمبر ۳)

معلوم ہوا کہ اسلام دین ہے مذہب نہیں اور جہاں کہیں اسلام کو مذہب کہا گیا ہے وہ مجازاً ہے ورنہ حقیقتاً اسلام مذہب نہیں ہے، جبکہ عیسائیت، یہودیت اور ہندومت وغیرہ "مذاہب" ہیں۔

دین اور مذہب میں فرق

دین اور مذہب میں فرق یہ ہے کہ مذہب صرف چند عقائد، چند عبادات اور چند اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے جب کہ دین پورا نظام زندگی ہوتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عیسائیت، یہودیت اور ہندومت وغیرہ کو مذہب اسی لئے کہا کہ ان کے یہاں فقط یہی تین چیزیں ہیں اور بازار، معیشت، مارکیٹ، تجارت، حکومت، سیاست اور عدالت وغیرہ تمام چیزیں ان کے دائرہ کار سے خارج ہیں۔ بخلاف اسلام کے کہ اسلام دین ہے اور دین زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوتا ہے اور دنیا کے تمام انسانوں کے تمام شعبوں سے متعلق ہدایات دیتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے، ان ہدایات کی پابندی کرنے والے خواہ گھر میں ہوں یا دکان میں، اگر ہو سکتے ہیں تو وہ مسلمان ہیں۔

دین کا پیروکار ہر وقت ڈیوٹی پر ہوتا ہے

ہمارے والد صاحبؒ کے ایک دوست جہاز میں فرسٹ کلاس میں سوار ڈھاکہ سے کراچی آرہے تھے، اس وقت ہمارے یہاں پی آئی اے کے جہازوں میں بھی شراب چلتی تھی جو کہ الحمدللہ ضیاء الحق صاحب کے دور سے بند ہو چکی ہے، لیکن اس زمانے میں فرسٹ کلاس کے مسافروں کو مفت شراب دی جاتی تھی اور اکانومی کلاس کے مسافروں کو قیمتاً دی جاتی تھی۔ تو ہمارے والد صاحبؒ کے دوست کو ایئر ہوسٹس نے آکر شراب پیش کی انہوں نے انکار کر دیا تو وہ چلی گئی، اس کے جانے کے بعد دوسری آگئی انہوں نے اسے بھی انکار کر دیا تو پھر ان کا افسر خود آ گیا اور اس نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟آپ شوق نہیں فرمارہے ؟ تو وہ صاحب خود ہی اپنا قصہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ میرا حصہ تم پائلٹ کو دے دو۔ اس نے کہا کہ وہ تو نہیں پیئے گا! میں نے پوچھا کیوں نہیں پیئے گا؟ تو اس نے کہا کہ وہ ڈیوٹی پر ہے! یہ سن کہ میں نے اس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہر وقت اور ہر جگہ ڈیوٹی پر ہوتا ہے اس لئے میں بھی ڈیوٹی پر ہوں۔

دنیا بھی دین بن گئی

اس ساری بات کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، وہ ڈیوٹی پر ہے خواہ تجارت ہی میں ہو۔ اس کے برعکس عیسائیت اور دیگر مذاہب تاجروں کو

تجارت کے احکام نہیں بتاتے جب کہ اسلام نے تاجروں کو ہدایات دی ہیں۔ جن میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ خواہ جائز تجارت کی کوئی سی نوعیت ہو وہ دنیاداری نہیں بلکہ دینداری ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ اسلام کی کرامت و عظمت ہے کہ اس نے دنیاداری کے ان تمام کاموں کو دینداری بنادیا۔ لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کام میں نیت درست ہو، مثلاً حلال کمانے اور اپنے بیوی بچوں کو حلال کھلانے کی نیت ہو یا انہیں خوشی اور راحت و آرام سے رکھنے کی نیت ہو یا صدقات و خیرات کی نیت ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ طریقہ شریعت کے مطابق ہو جیسا کہ شریعت نے تجارت کے بھی کچھ اصول بتائے ہیں لیکن وہ بھی کثیر نہیں۔ بلکہ معدودے چند ہیں اور بڑے بڑے دائروں میں تاجروں کو آزاد رکھا گیا ہے۔

مسلمان تاجر کے لئے خوشخبری

ان چند اصولوں کو اپنانے کی برکت سے یہ تجارت بھی دین بن جائے گی اور اس کا ثواب بھی ہوگا۔ اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

﴿التاجر الصدوق الامین مع النبیین
و الصدیقین و الشھداء﴾ (رواہ الترمذی)

”جو تاجر بالکل سچا اور امانتدار ہو وہ آخرت

میں انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین
اور شہداء کے ساتھ ہوگا"۔

یعنی اس شخص کا حشر انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوگا جن کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ہوتا ہے۔ اب بظاہر تو اس شخص نے تجارت ہی کی ہے، کوئی عبادت تو نہیں کی لیکن قرآن و حدیث نے بتادیا کہ تجارت بھی عبادت بن جاتی ہے بشرطیکہ مذکورہ دو شرائط کے ساتھ ہو۔

دین میں سچے اور امانتدار تاجر کی عزت

اور یہ جو فرمایا کہ "انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوگا" اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے درجے کے برابر ہوگا کیونکہ ان کے برابر تو کسی کا بھی درجہ نہیں ہو سکتا۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً صدر مملکت یا وزیراعظم کسی دوسرے ملک میں بطور مہمان جائیں اور وہاں ان کا خوب اعزاز و اکرام ہو اور ان کے ساتھ جتنے بھی آدمی ہوں ان کا بھی خوب اکرام ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کا درجہ وزیراعظم کے برابر ہو گیا اور نہ ہی یہ وزیراعظم ہو گئے بلکہ سب اپنے اپنے درجے پر ہیں، لیکن وزیراعظم کے ساتھ ہونا کوئی معمولی بات نہیں، بالکل یہی حال سچے اور امانتدار تاجر کا ہوگا کہ وہ انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے تجارت کو دین بنادیا۔

دین اسلام نے بھی ذریعہ معاش سکھائے

ہمارے بزرگوں اور حضرت تھانویؒ نے جابجا فرمایا کہ جو شخص صحیح معنی میں مسلمان ہو خواہ وہ تجارت کرتا ہو یا مزدوری یا کوئی اور کام، وہ دنیادار نہیں ہوتا بلکہ دیندار ہوتا ہے اور اس کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لئے نور ہدایت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نوجوانی کے عالم میں مکہ مکرمہ میں حلال روزی کمانے کے لئے ایک درہم کے عوض میں بکریاں چرایا کرتے تھے، اور جب عمر تھوڑی سے زیادہ ہوئی تو بغرض تجارت شام کا سفر فرمایا جو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مال بیچنے کے سلسلے میں ہوا، اسی کو "عمل مضاربت" کہا جاتا ہے اور بعد میں آپ ﷺ نے مشارکت بھی فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائیں، حضرت داؤد علیہ السلام کا ذریعہ معاش ذرہ سازی کی صنعت تھا اور اللہ نے انہیں وحی کے ذریعے ذرہ سازی کا فن سکھایا تھا جسے بنا کر وہ فروخت کر کے اپنی روزی کماتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے کشتی کی صنعت سکھلائی گئی، حاصل یہ کہ اسلام میں تجارت کا کوئی بھی شعبہ ہو وہ دنیاداری نہیں بلکہ دین اور دین کی ترقی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ درست نیت کے ساتھ حدود میں رہ کر کام کیا جائے جبکہ حدود بھی بہت زیادہ نہیں بلکہ تھوڑی سی ہیں۔

دین میں کچھ صبر کی ضرورت ہے

اگر اسی پر عمل کرنے کا نسخہ ہمارے تاجر حضرات اختیار کر

لیں تو پاکستان کی تجارت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کتنی آگے بڑھ جائے گی، لیکن مشکل یہ ہے کہ پاکستانی تاجر کو تو راتوں رات کروڑ پتی بننے کا شوق ہے، وہ اس کے لئے تیار نہیں کہ کروڑ پتی بننے کے لئے پانچ چھ مہینے صبر کر لے، اسی کروڑ پتی بننے کے شوق میں وہ جھوٹ بھی بولتا ہے، دھوکا بھی دیتا ہے، جھوٹی قسمیں بھی کھاتا ہے اور پھر جیل میں بھی جاتا ہے، لیکن اپنی دین و دنیا کو برباد کرنے کے بعد بھی دنیا اس کے ہاتھ نہیں آتی۔ ہماری تجارت میں کرپشن عام ہے یعنی نمبر دو تجارت ہے کہ پیسے تو ایک نمبر چیز کے لیتے ہیں اور چیز دو نمبر دیتے ہیں اور اب تو دو نمبر کے بجائے تین نمبر ملنا بھی شروع ہو گئی ہے۔

تجارت کا بنیادی اُصول دیانتداری ہے

جب دوسرے ممالک میں جانا ہوتا ہے وہاں ہمیں پاکستانی تاجر ملتے ہیں اور ہم ان سے کہتے ہیں کہ بندہ خدا! تم نے اپنی دکانوں میں جاپان کا کپڑا رکھا ہوا ہے حالانکہ پاکستان کا اتنا اچھا کپڑا ہوتا ہے، تم اسے کیوں نہیں منگواتے؟ تو وہ پاکستانی تاجر کہتے ہیں کہ ہماری تو عین تمنا یہی ہے کہ ہم پاکستان سے اشیاء منگوائیں لیکن پاکستانی تاجروں نے ہمیں اتنے دھوکے دیئے ہیں کہ ہم نے کان پکڑ لئے کہ آئندہ پاکستان سے تجارت نہیں کریں گے۔ کیونکہ تجارت کا بنیادی اصول ہے کہ اگر تجارت میں سچائی اور دیانتداری نہ ہو تو وہ چلتی ہی نہیں۔ یہی وہ گر ہے جسے امریکہ، جاپان اور مغربی ممالک نے اپنالیا اور دنیا بھر میں تجارت کے اندر مشہور ہو گئے اور چھا گئے، جب کہ ہم نے دنیا کمانے کی خاطر دنیا ہی کو برباد کر ڈالا اور

تجارت کا ستیاناس کر دیا۔

دنیا کے لئے بھاگو مت، کوشش کرو

اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے، دنیا اس سے آگے بھاگتی ہے۔ اور یاد رکھیں! کہ بھاگنے سے مراد کوشش کرنا نہیں ہے بلکہ بھاگنے سے مراد حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ کسی نے اس کی بڑی اچھی مثال دی کہ دنیا کی مثال انسان کے سائے کی طرح ہے کہ جتنا آگے بڑھتے جاؤ گے یہ بھی آگے بڑھتا جائے گا، اس کو تابع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے منہ موڑ لو اور دوسری سمت میں چلنا شروع کر دو نتیجتًا وہ بھی تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے گا، بالکل اسی طرح دنیا کا معاملہ ہے کہ اگر انسان دنیا سے منہ موڑ لے تو وہ ذلیل و خوار ہو کر اس کے پاس آتی ہے۔

دو بڑی مصیبتوں کے سائے

آج کل ہمارے اوپر دو بڑی بڑی مصیبتیں مسلط ہیں ایک تو سود کی مصیبت ہے اور دوسری بد دیانتی (کرپشن) کی۔ ان دونوں میں سے اس وقت سود پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ ہماری تجارت بالکل کمزور ہو چکی ہے اور اس قدر کہ پورا ملک اقتصادی طور پر تباہ ہے، پورا ملک آئی ایم ایف اور عالمی مالیاتی اداروں کے ہاتھوں گروی رکھا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہزاروں روپے کا مقروض ہو کر پیدا ہوتا ہے۔

سود کی لعنت

ہم ایسی مقروض قوم ہیں کہ دوسروں سے اس غرض سے قرضے لیتے ہیں کہ ان کا سود ادا کریں، جس ملک کا یہ حال ہو وہ کارگل میں عزت کی پوزیشن میں کب تک رہے گا؟ اس سے تو اسی طرح ناک رگڑوائی جائے گی جس طرح رگڑوائی گئی ہے۔ چنانچہ واشنگٹن میں بلوا کر باقاعدہ ناک رگڑوائی گئی ہے کیونکہ ہمارا بال بال قرضے میں بندھا ہوا ہے۔ ہمارے پورے ملک کے بجٹ میں سے ایک تہائی دفاع پر جاتا ہے، ایک تہائی سود اور قرضے کی قسطوں پر اور باقی ایک تہائی میں سارے ملک کی ضروریات ہوتی ہیں۔ جس ملک کا یہ حال ہو کہ کافروں کے قرضوں پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہو اور سود کی قسطیں ادا کرنے کے لئے وہ قرضوں کا محتاج ہو، ایسا ملک اپنے دشمن کے مقابلے میں سینہ تان کر ہرگز کھڑا نہیں رہ سکتا، اسے تو کبھی واشنگٹن میں ناک رگڑنی پڑے گی اور کبھی لندن میں۔ مجاہدین اسلام اپنے خون کے نذرانے دیتے رہیں گے اور فتوحات حاصل کرتے رہیں گے اور ہمارے حکام ان کا خون بیچ بیچ کر ان کی جیتی ہوئی جنگوں کو ہراتے رہیں گے، جیسا کہ پاکستان کی پچاس سال کی تاریخ سے واضح ہے اور یہ سب سود کا کرشمہ ہے جس کی بناء پر ہم اس قابل بھی نہیں رہے کہ پندرہ دن تک ہی جنگ کر سکیں، اس لئے کہ ہمارے پاس پیسے نہیں کیونکہ حرام خوری ہمارا مزاج بنا ہوا ہے اور سود نے ہمیں کھوکھلا کر ڈالا ہے۔ ہمارے غریب آدمی کی خون پسینے کی کمائی ٹیکسوں میں لے لی جاتی ہے۔ ہر چیز پر ٹیکس لگے ہوئے ہیں، پھر وصولی کے بعد یہ

تمام ٹیکس خزانے میں جاتے ہیں اور خزانے سے سود کی قسطوں کی ادائیگی کے لئے واشنگٹن اور نیویارک جاتے ہیں۔

سود اللہ کا عذاب ہے

ہمارے اوپر یہ مصیبت اللہ کا عذاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود اتنا عام ہو جائے گا کہ جو لوگ سود سے بچنا چاہیں گے وہ بھی سود کے دھوئیں سے نہیں بچ سکیں گے۔ آج الحمد اللہ کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جو سود لیتے ہیں نہ دیتے ہیں لیکن پھر بھی وہ سود کے دھوئیں سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں؟ سود کے بغیر تو تجارت ہو ہی نہیں سکتی اور پھر سود پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے؟ یاد رکھیں! یہ بات واقعی ہے کہ پوری دنیا میں سود پھیلا ہوا ہے، لیکن میں اپنی تاجر برادری سے کہنا چاہتا ہوں کہ کراچی میں ایک سیمینار ہوا تھا جس میں ملک کے بڑے بڑے مشہور صنعت کار اور تاجر حضرات موجود تھے، ان سے بھی میں نے یہی بات عرض کی تھی کہ یہ سرمایہ داری نظام ہم پر مسلط ہے اس نے آکر جب ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تو اس کے رد عمل میں سوشلزم اور کمیونزم وجود میں آئے۔ روس میں سب سے پہلے سوشلزم انقلاب لینن نے برپا کیا، اس کے بعد دنیا دو حصوں میں بٹ گئی۔ آدھی دنیا سرمایہ داری نظام کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی اور باقی آدھی دنیا روس کے ہتھوڑے کے دباؤ میں پھنسی ہوئی تھی۔

روس کا انجام

اللہ تعالیٰ مجاہدین افغانستان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی قربانیوں نے جو کہ پندرہ لاکھ شہیدوں کا خون تھی، روس کو ایسا مٹایا کہ اسے دنیا کے نقشے ہی سے مٹادیا، اور سوویت یونین کو ایسے ٹکڑے ٹکڑے کیا کہ وہ آج دنیا کے نقشے سے غائب ہے اور سوشلزم کی موت واقع ہو گئی ہے، لیکن یہ سرمایہ داری نظام کہ جس کے علاج کے لئے سوشلزم آیا تھا اور یہ دعوی کیا تھا کہ سرمایہ داری نظام کے ظلم و ستم کا میں علاج ہوں جبکہ یہ نظام خود ظالمانہ اور جابرانہ تھا جسے الحمد اللہ مجاہدین افغانستان نے اس کے منطقی انجام تک پہنچادیا۔ یہ مجاہدین وہی طلباء، علماء، خطباء، موذنین اور آئمہ مساجد ہیں کہ جنہوں نے بھوک کو برداشت کیا اور ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کا مقابلہ کیا اور گیارہ سال کے اندر اندر روس کی اس سپر طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جو کہ دنیا کی دوسری سپر طاقت تھی۔

اہل اسلام کی ذمہ داری

اب صرف ایک طاقت باقی رہ گئی ہے اور وہ سرمایہ داری نظام ہے جو کہ پھر سے ہم پر مسلط ہے۔ اور اب دنیا بھر کی نظریں اسلام کی طرف اٹھ رہی ہیں کہ اسلام کا یہ دعوی ہے کہ وہ دنیا کے تمام مسائل کا بہترین حل ہے، اور ہم اس دعوی میں حق بجانب ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ موجودہ

معیشت کی گتھیاں اسلامی نظام ہی سلجھا سکتا ہے۔ یہ سرمایہ داری نظام کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اسلام کا نظام معیشت کیا ہے؟ سود سے بچ کر تجارت کیسے چلائی جاسکتی ہے؟ کامیاب تجارت کیسے کی جاسکتی ہے؟ اور قمار اور جوئے بازی سے بچ کر تجارتی اور صنعتی سرگرمیاں کیسے برقرار رکھی جاسکتی ہیں؟ اور یہ تمام باتیں بتانا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔

بلاسود بینکاری کا سب سے پہلا فارمولا

الحمد للہ پاکستان کے علماء اور ماہرین معیشت کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ سب سے پہلے سب سے مفصل فارمولا بلاسود بینکاری کا پاکستان کے علماء اور ماہرین معیشت نے ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں تیار کیا، اور پاکستان ہی کی پیروی میں دنیا کے دیگر ممالک کے علماء کرام اور ماہرین معیشت الحمد اللہ اس کام میں لگے، جس سے اب یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے اور بینکاری، انشورنس، تجارت و معیشت کا متبادل نظام، بلاسود بینکاری نظام کی صورت میں علماء کرام اور ماہرین معاشیات مل کر پیش کر چکے ہیں۔ اور آج دنیا کے تقریباً دو سو مالیاتی اداروں میں بلا سود بینکاری کا کام ہو رہا ہے مثلاً امریکہ، انگلینڈ اور کینیڈا وغیرہ غیر مسلم ممالک میں غیر مسلم لوگ بلاسود بینکاری کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے یہاں اسلامی بینکاری کے الگ الگ شعبے قائم کر رکھے ہیں اور علماء کرام کو بلا بلا کر پوچھتے ہیں کہ یہ کام صحیح ہو رہا ہے یا نہیں؟ جب کہ یہاں تو ہر چیز میں جھوٹ رائج ہے، چنانچہ بہت سے

لوگوں نے بلا سود بینکاری کے نام سے کام شروع کیا لیکن اندرون خانہ سودی کام کرتے رہے۔ لیکن اب وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہمیں بلا سود بینکاری کا طریقہ معلوم نہیں۔

سود کے بارے میں ایک عذر اور اس کا حل

ہاں ایک عذر کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے بینک ابھی تک سودی کاروبار کرتے ہیں اور ہمارے یہاں بلکہ پوری دنیا میں انشورنس کے طور طریقے بھی سود و قمار پر مشتمل ہیں۔ تو جب تک یہ دونوں ادارے تبدیل نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہم کیا کریں؟ اس میں سچی بات تو یہ ہے کہ اس کی اصل ذمہ داری تو مسلم حکمرانوں کی ہے جس میں ہماری پاکستانی حکومت بھی داخل ہے، ان کا دینی فریضہ ہے کہ وہ بلا سود بینکاری شروع کروائیں۔ اور یہ بات میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کا سب سے پہلا فارمولا پاکستان کے علماء کرام اور ماہرین معاشیات دے چکے ہیں، جس میں ایسے بارہ طریقے ہیں جن پر بینکنگ کے ماہرین کا اتفاق ہے کہ یہ قابل عمل ہیں، اور اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ تجارت میں کمی واقع نہیں ہوگی بلکہ کھاتے داروں کو نفع بھی زیادہ ملے گا۔ لیکن ہماری حکومت نے اسے نافذ نہیں کیا، بہر حال یہ مسئلہ سپریم کورٹ میں زیر بحث ہے جس کا فیصلہ عنقریب آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صحیح فیصلہ کرنے کی اور حکومت کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ چند سال قبل کراچی میں ایک عظیم الشان دو

روزہ سیمینار اسی موضوع پر منعقد ہوا تھا جس میں حضرات علماء کرام، ماہرین معاشیات، ماہرین بینکاری، ملک کے چیدہ چیدہ صف اول کے تاجر اور صنعتکار شریک تھے۔اس سیمینار میں میں نے تاجر بھائیوں سے جو بات کہی تھی وہی بات میں یہاں بھی اپنے تاجر بھائیوں سے کہتا ہوں کہ ہمیں حکمرانوں سے زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ یہ اسلامی اور بلا سود بینکاری کو نافذ کریں گے، اور حالات بھی ایسے ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ نے یہ توفیق ان کے مقدر میں لکھی ہے یا نہیں ؟لیکن آپ لوگ ایک کام کر سکتے ہیں کہ تمام تاجر اور صنعت کار مل کر بینکوں کو یہ الٹی میٹم دے دیں کہ ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں اسلامی نظریاتی کونسل نے جو بارہ طریقے پیش کئے تھے جن کی علماء کرام نے تائید و توثیق کر رکھی ہے، مسلم بینکاروں نے انہیں پسند کیا ہے اور ماہرین معاشیات انہیں درست قرار دے چکے ہیں، ان میں سے کوئی ایک طریقہ ہمارے ساتھ معاملات کرنے کے لئے اختیار کریں تب تو ہم تمہارے ساتھ معاملات کریں گے اور تمہارے ذریعے سے تجارت بھی کریں گے، لیکن اگر تم نے سودی طریقے برقرار رکھے تو ہم تم سے کاروبار کرنا چھوڑ دیں گے۔اگر ایسا ہو جائے تو ایک ہی ہفتے میں سارا نظام بدل جائے گا اور سارے بینک بلا سود بینکاری پر مجبور ہو جائیں گے، اور ایسا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے بلکہ کراچی سیمینار میں بھی سب کے دل کی آواز یہی تھی کہ ہم الٹی میٹم دے دیں، ضرورت صرف اتحاد و اتفاق کی ہے۔

بلاسود بینکاری میں عارضی نقصان سے نہ گھبرائیں

اس کے لئے اگر تاجر برادری کو عارضی طور پر نقصان بھی اٹھانا پڑ جائے تو یاد رکھیں! کہ تکلیفوں اور قربانیوں کے بغیر دنیا میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ اگر پندرہ سو سال کے عرصے میں یہ قربانیاں نہ دی جاتیں تو دین اسلام ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آج تاریخ نے پاکستانی تاجر بلکہ دنیا بھر کے مسلم تاجر پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ متحد ہو کر بینکوں کو مجبور کریں کہ اگر تم صحیح طریقے سے تجارت کرنے کے لئے تیار ہو تو ٹھیک ورنہ ہم تم سے تجارت نہیں کریں گے۔

سود اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ

ورنہ یاد رکھیں! کہ سود اتنا بڑا اور اتنا خوفناک ہے کہ اس کے تصور ہی سے انسان پر لرزہ اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔ کسی گناہ کے بارے میں قرآن حکیم نے اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں کیۓ جتنے سخت سود کے بارے میں استعمال کیۓ ہیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

(سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۷۹)

" اگر تم سود کا لین دین نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو"

آپ خود بتائیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کب تک جنگ کرتے رہیں گے ؟ اور کیا کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر

کے بچ سکتی ہے؟ یاد رکھیں! ہم سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر رہے ہیں اور اسکی وجہ سے طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہیں، اگر ہم نے اس جنگ کو نہ چھوڑا تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ تاجر برادری اور صنعت کار حضرات محنت اور کوشش کر کے اور طرح طرح کی تحریکات اور جائز مظاہروں کے ذریعے اپنے مطالبات کو منوا سکتے ہیں، مجھے اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ انہیں کامیابی ضرور حاصل ہو گی۔

ایک درہم سود کا گناہ

سود اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے سود کا ایک درہم لیا یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے ۳۶ مرتبہ زنا کیا۔"

الحمد اللہ کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جو کبھی بھی زنا جیسے فعل بد کے مرتکب نہیں ہوئے لیکن اگر انھوں نے خدانخواستہ سود کا ایک درہم لے لیا تو اس ایک درہم کا گناہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے کے گناہ کے برابر ہو گا، اسی طرح اعداد کو ضرب دیتے جائیں تو معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچتا ہے۔

سود کے بارے میں ایک سخت وعید

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

"سود کی خرابی کی قسمیں ۷۳ ہیں جن میں سب سے

ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا
کرے" (سنن ابن ماجہ)

نیز ایک اور حدیث میں ہے

﴿لعن الله اکل الربا و موکله
و کاتبه و شاهده﴾

"جو شخص سود کھائے یا کھلائے یا سود کا حساب
کتاب کرے یا سودی مقدمات کا گواہ بنے اس پر
اللہ کی لعنت ہے۔" (رواہ مسلم)

اب یہ کوئی عذر نہ رہا کہ صاحب! ہمارے پاس کوئی متبادل طریقہ نہیں کیونکہ اب آپ کے پاس متبادل طریقہ موجود ہے یعنی یہ کہ اگر سب متحد و متفق ہو کر بینکوں پر دباؤ ڈالیں تو بینک ان بارہ اسلامی طریقوں پر بینکاری کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جو ان کے پاس موجود ہے۔ چونکہ ہمیں اپنے حکمرانوں سے اب توقع نہیں رہی اس لئے اب یہ بھاری ذمہ داری تاریخ نے مسلم برادری کے کندھوں پر ڈال دی ہے کہ وہ اپنا دینی کردار ادا کریں اور معاشرے کو اللہ اور رسول کے خلاف جنگ آزماء ہونے سے بچانے کے لئے بلا سودی بینکاری کے لئے موجودہ نظام بینکاری پر اپنا بھرپور دباؤ ڈالیں، اور اللہ کے بھروسے پر یہ طے کرلیں کہ اب وہ سودی لین دین کسی قیمت پر نہیں کریں گے۔ کاروبار میں نقصان ہو یا فائدہ، سود کی لعنت سے بہر حال اپنے کاروبار کو بچائیں گے۔ جب یہ ہو جائے گا تو قرآن کا یہ وعدہ بھی ضرور پورا ہو کر رہے گا کہ

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

کام چوری اللہ کا
ایک عذاب

کام چوری اللہ کا عذاب

بعد از خطبہ مسنونہ:

اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

” وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ اَلَا یَظُنُّ اُولٰئِكَ اَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“ (سورۃ المطففین آیت نمبر ۱ تا ۶)

بزرگان محترم، برادران عزیز اور محترم خواتین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کے اس اجتماع میں دوستوں اور بھائیوں نے مجھے کراچی سے

یہاں آنے کی دعوت دی، میں سوچتا رہا کہ آج کے خطاب میں کیا عرض کروں؟ میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ نے مجھے بارہا ایک بات کی تلقین فرمائی کہ فرمائشی اور رسمی تقریریں نہ کرنا بلکہ جہاں جاؤ، وہاں کی ضرورت دیکھ کر بات کرو اور جہاں زخم ہے وہاں مرہم لگاؤ! ایسا نہ ہو کہ مرہم کہیں لگاؤ اور زخم کہیں اور ہو۔ حضرت عارفیؒ نے یہ فرما کر مجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے کہ یہ سوچوں کہ جس اجتماع سے مجھے خطاب کرنا ہے اس اجتماع کی ضرورت کیا ہے؟ نیز حضرتؒ نے ایک اور بات کی تلقین فرمائی کہ جب بھی گومگو کی کیفیت ہو کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ تو فوراً چپکے سے اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا کرو کہ اے اللہ! آپ بتادیجئے کیا کروں؟

میرے مرشدؒ کا ایک نسخہ

ہمارے شیخؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ سنایا کرتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ مجھ سے ملتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت! آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، جب کوئی مجھ سے یہ جملہ کہتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ پتہ نہیں یہ کیا پوچھے گا؟ تو میں فوراً چپکے سے اللہ تعالیٰ سے عرض کردیتا ہوں کہ یا اللہ! آپ بتادیجئے کیا جواب دوں؟ اس کے بعد اس سے کہتا ہوں کہ ہاں! کیا بات ہے؟ غرضیکہ ہمارے مرشد نے فرمایا کہ میں تمہیں کامیابی کا ایک نسخہ بتارہا ہوں کہ جب بھی گومگو کی کیفیت ہو، اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ اس معاملے کو آسان فرمادیں گے۔ الحمدللہ جب بھی خطاب کی

نوبت آتی ہے تو اس سے پہلے عموماً اپنے مرشد کے اس نسخے پر عمل کی توفیق ہوجاتی ہے۔

آج کل سب سے بڑا مسئلہ کرپشن ہے

آج کے اس اجتماع سے متعلق دل میں یہ بات آئی کہ آپ کے سامنے وہ بات عرض کروں جو ہم سب کی ضرورت کی بات ہے اور شاید یہ ہماری قوم اور ملک کا سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ ہے۔ آپ نے اخبارات میں ایک لفظ کثرت سے پڑھا ہوگا، کئی سال سے وہ لفظ ہمارے یہاں پھیلا ہوا ہے اور اس لفظ کا مصداق تو سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے، اور وہ ہے ''کرپشن'' شاید اس بات سے کسی کو کوئی اختلاف نہ ہو کہ اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن (بددیانتی اور خیانت) ہے۔ اسی سلسلے میں یاددہانی کے طور پر آج ان آیات کا انتخاب کیا جو شروع میں تلاوت کی ہیں۔ ان آیات سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق فقط تاجروں سے ہے، لیکن جیسا کہ میں عرض کروں گا واقعہ یہ ہے کہ اس کا تعلق ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے انسانوں کے ساتھ ہے، اس لئے ان آیات کے بارے میں کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا انجام

آیات مذکورہ بالا کا ترجمہ یہ ہے۔

''ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کریں'' ''مطففین '' جمع ہے مُطَفِّفْ کی، جس کے معنی ہیں'' ناپ تول میں کمی کرنے والا'' اور ''وَیْلٌ '' کے ایک معنی تو لغت میں'' ہلاکت اور بربادی'' کے آتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ'' ویلٌ '' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو اتنی گہری ہے کہ اگر جہنم کے اوپر سے کوئی پتھر پھینکا جائے تو وہ پتھر اس کی تہہ میں چالیس سال کے بعد پہنچے گا۔ چنانچہ اس صورت میں اس آیت کے معنی یہ ہوجائیں گے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جہنم کی وہ وادی مقرر ہے جس کی گہرائی اتنی ہے کہ پھینکا جانے والا پتھر اس کی تہہ میں چالیس سال کے بعد پہنچے گا۔ آگے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ایک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کرلیتے ہیں(کوئی چیز خریدتے ہیں) تو چاہتے ہیں کہ انہیں پورا ملے، چنانچہ خوب غور سے دیکھتے ہیں کہ صحیح اور پورا ناپا ہے یا نہیں؟ لیکن جب دوسروں کو ناپ کریا تول کردیتے ہیں تو اصل مقدار میں کمی کرتے ہیں اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر ناپ تول میں کمی کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی ڈنڈی مارتے ہیں۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی حماقت

اگر غور کیا جائے تو اس صفت کو لانے کا ایک مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اس میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ایک حماقت کا بیان ہے کہ ناپ تول

میں کمی کرنے والوں کی یہ خواہش کہ وصول کریں تو پورا لیں اور جب ادا کریں تو کم دیں، کبھی پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ جب یہ پورا نہیں دیں گے تو خود بھی پورا نہیں لے سکتے، اور چونکہ یہ ایسی چیز کی تمنا کرتے ہیں جو ممکن نہیں اس لئے یہ احمقانہ تمنا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جس معاشرے میں ناپ تول میں کمی کا رواج ہوجائے اور ڈنڈی مارنے کا ہر ایک ماہر ہوجائے تو پھر اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس معاشرے میں کسی کو بھی کوئی چیز پوری نہیں ملتی حتیٰ کہ ڈنڈی مارنے والوں کو بھی پوری نہیں ملتی۔

ہر ایک ناپ تول میں کمی کرے تو؟

مثال کے طور پر دودھ بیچنے والا دودھ بیچتا ہے تو اس میں آدھا دودھ ہوتا ہے اور آدھا پانی جو اس کے ہاتھ کی صفائی ہے جس کی بناء پر وہ مطفِّف، گناہ گار اور اللہ کا باغی بنا۔ لیکن وہ خوش ضرور ہے کہ اس نے دوسرے کے ناپ میں کمی کر کے ایک کلو کے پیسے بچالئے۔ اس کے بعد یہ دودھ والا کپڑا لینے جاتا ہے تو وہاں کپڑے کا تاجر بھی اپنے ہاتھ کی ایسی صفائی دکھاتا ہے کہ دس کے بجائے بیس روپے کمالیتا ہے اور دودھ والے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اب اگرچہ یہ کپڑا بیچنے والا خوش ہے کہ اس نے دھوکے سے بیس روپے کمالئے لیکن جب وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر سب سے پہلے اس کی جیب کا اپریشن کرتا ہے اور ایسے ایسے کرتب دکھاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

دھوکہ دہی کی عام حالت

ابوظبی میں ایک پاکستانی انجینئر سے جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ پہلے میں سعودی عرب میں ملازمت کرتا تھا، اس کے بعد وہاں سے کافی رقم جمع کر کے کراچی لے گیا کہ وہاں کاروبار کروں گا لیکن وہاں سے کان پکڑ کر واپس آیا اور توبہ کی کہ پاکستان میں کاروبار نہیں ہوسکتا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان پیسوں سے وہاں ایک ایکسرے کا ادارہ قائم کیا اور اعلیٰ درجے کی مشینیں لے کر آیا تو آس پاس کے ڈاکٹروں نے آ کر مجھ سے بات چیت کرنی شروع کی کہ دیکھو! ہم تمہارے پاس ایکسرے کے لئے مریض بھیجا کریں گے جس کی کچھ تو کمیشن ہماری ویسے ہی مقرر ہوگی مثلاً پندرہ یا بیس فیصد وغیرہ یا جتنی فیس تم لوگے اتنی ہی ہمیں بھی دو گے، اور ایک کام مزید یہ کرنا پڑے گا جو کسی کے علم میں نہیں آنا چاہیئے کہ اگر ہمارے نسخے پر ایک مخصوص قسم کا فلاں نشان لگا ہوا ہوتو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس مریض کا ایکسرے نہیں لینا بلکہ اسے دھوکہ دے کہ ظاہر یہ کرنا ہے کہ اس کا ایکسرے لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کو ایکسرے کی مشین پر لٹانا بھی ہے، بٹن بھی دبانا ہے اور مشین کی آواز بھی پیدا کرنی ہے لیکن اس کے باوجود ایکسرے نہیں لینا اور پیسے اس سے پورے لینے ہیں، میں نے ایک ڈاکٹر کو اس سے انکار کیا تو دوسرا آ گیا، میں نے اس سے بھی انکار کردیا تو تیسرا آ گیا۔ اس کے بعد چوتھا اور پانچواں آیا اور میں نے ان سب کو انکار کردیا، تو ان ڈاکٹروں نے مجھ سے کہا کہ تم ہمارے کام

کے نہیں ہو، ہم دوسروں سے کام لے لیں گے، چنانچہ ایک دوسرے قریبی آدمی سے ان کا کام چلنے لگا جب کہ میرے پاس کوئی گاہک نہیں آتا تھا، کیونکہ وہ ڈاکٹر یہ تاکید کر کے مریضوں کو بھیجا کرتے تھے کہ ہمیں فلاں کلینک ہی کا اعتبار ہے اس لئے تم کو وہیں جانا ہے، ان حالات کو دیکھ کر میں کام کو چھوڑ کر یہاں آ گیا۔اور ملازمت کر لی ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے کمالات

غرضیکہ کپڑے والا بیس روپے کمانے پر خوش تھا لیکن ڈاکٹر نے اس کی جیب سے کتنے ہی روپے نکال لئے اور وہ بھی خوش ہے کہ میں نے مریض کی جیب سے اتنے روپے نکال لئے۔ لیکن جب وہ ڈاکٹر کیمسٹ کے یہاں جاتا ہے تو وہ اس کی خبر لے لیتا ہے چنانچہ وہ ایک نمبر دوا کے پیسے لیکر دو نمبر دوا دے دیتا ہے۔ اور کیمسٹ جب ترکاری والے کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنے کرتب دکھاتا ہے، اور جب ترکاری والا گوشت لینے جاتا ہے تو وہ اپنا کمال دکھاتا ہے اور جب یہ لوگ سرکاری دفاتر میں جاتے ہیں تو وہاں سرکاری ملازمین اپنے داؤ پیچ دکھاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک اس بات پر خوش ہے کہ میں کما رہا ہوں لیکن اس بات سے کہ اس کی بھی جیب کٹنے والی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیب کتروں کی ایک لائن لگی ہوئی ہے جس میں ہر شخص دوسرے کی جیب کاٹ کر اپنی جیب میں ڈالتا ہے تو پیچھے والا اس سے زیادہ اس کی جیب سے نکال لیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ کسی کو بھی کچھ نہیں ملتا۔

لوگوں کی عام حالت

ابھی دو سال قبل تربت جانا ہوا جو کہ بلوچستان کا ایک پسماندہ علاقہ ہے، تربت تک تو جہاز سے پہنچ گئے اور اب ہمیں وہاں سے تقریباً تیس پینتیس میل کے فاصلے پر ایک قصبے میں جانا تھا، لیکن وہ پہاڑی اور سنگلاخ زمین تھی گرمی بھی سخت اس لئے وہاں بڑی مشکل سے پہنچے، ہمیں لوگوں نے بتایا تھا کہ راستے کی سڑک اگرچہ کچی ہے لیکن اس کی مرمت کے لئے دس بیلدار آدھے آدھے میل کے فاصلے پر مقرر ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایک اونٹ، ایک کھانا پکانے والا اور ایک خیمہ ہوتا ہے، یہ لوگ پہاڑوں سے گرنے والے پتھروں کو ہٹادیتے ہیں اور گڑھوں کو مٹی سے پر کردیتے ہیں تاکہ کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ لیکن ہماری گاڑی دھوپ کے اندر ہچکولے کھاتی ہوئی جارہی تھی، پتھر بھی جابجا بکھرے ہوئے تھے اور گڑھے بھی بے شمار تھے اور وہاں نہ کوئی بیلدار نظر آیا ، نہ کوئی اونٹ حتیٰ کہ کوئی خیمہ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے وہاں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ اتنے اتنے فاصلے پر بیلدار کھڑے ہوتے ہیں لیکن ہم نے اتنا فاصلہ طے کیا، ہمیں تو ایک بیلدار بھی نہیں ملا، تو وہ کہنے لگے کہ قانوناً تو یہی بات مقرر ہے اور انہیں باقاعدہ تنخواہ بھی ملتی ہے لیکن وہ لوگ یہاں کام نہیں کرتے بلکہ دبئی میں ملازمت کرتے ہیں، یعنی ملازمت دبئی میں اور تنخواہ بیلداری کی بلوچستان کے علاقے میں وصول کرتے ہیں۔

کام چوری اللہ کا ایک عذاب ہے

کام چوری کی ہمارے ملک میں یہ حالت ہے کہ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں اور کرپشن سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے، ہمارے شہروں میں نالیاں تعفن سے بھری پڑی ہیں اور کوڑیاں صاف نہیں ہوتیں، قصبوں اور شہروں میں گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، بجلی آنکھ مچولی کھیلتی ہے، ٹیلی فون کا نظام درہم برہم ہے، پانی کی قلت ہے، سرکاری دفاتر میں رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا، عدالتوں میں انصاف نہیں ملتا، ہسپتالوں میں علاج نہیں ملتا، تھانوں میں تحفظ نہیں ملتا اور تعلیمی اداروں میں تعلیم نہیں ملتی۔ درحقیقت یہ اللہ کا عذاب ہے کہ جیب کتروں کی لائن لگی ہوئی ہے لیکن لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن ان سے کہتا ہے کہ یہ ایک احمقانہ تمنا ہے کہ کم دو اور پورا لو اور کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔

اس سے آگے ارشاد ربانی ہے" کیا انہیں گمان بھی نہیں ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس عظیم دن یہ لوگ میدان حشر میں بھیجے جائیں گے۔" ان کو دوبارہ زندگی دی جائے گی، اعمال کا حساب وکتاب ہوگا" اور اس دن لوگ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے اعمال کا حساب دے رہے ہوں گے۔" اگر انہیں اس دن کا تصور ہوتا تو یقیناً وہ یہ حرکتیں نہ کرتے۔

ان آیات کا مفہوم بہت وسیع ہے

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آپ نے تو کہا تھا کہ میں آپ کے

سامنے ایک ایسا مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں جو سب سے پہلا مسئلہ ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کا مسئلہ ہے لیکن آپ نے تو وہ مسئلہ بیان کیا جس میں فقط تاجروں کا بیان ہے، جبکہ یہاں بہت سے لوگ وہ بھی ہیں جو تاجر نہیں تو ان سے اس بات کا تعلق کیسے ہے؟ یاد رکھیں! کہ غیر تاجر سے بھی اس مسئلے کا تعلق اس طرح ہے جس طرح تاجروں سے ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ۱۹۶۰ء میں دیو بند جانا ہوا، میں اسی سال دورہ حدیث سے فارغ ہوا تھا اور حضرت والد صاحبؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ شہر کی جامع مسجد میں بیان فرمائیں۔ چنانچہ حضرت والد صاحبؒ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے اسی آیت پر بیان فرمایا جو میں نے شروع میں تلاوت کی اور اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ جس طرح تاجر پیسے لے کر سامان دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص ملازمت یا مزدوری کرتا ہے تو وہ اپنا وقت اور محنت دے کر پیسے لیتا ہے تو یہ بھی تاجر ہوا۔ اسی طرح میں دارالعلوم میں پڑھاتا ہوں اور استاد کی حیثیت سے مجھے تنخواہ ملتی ہے میں نے اپنا وقت دارالعلوم کے ہاتھوں فروخت کر رکھا ہے تو تاجر میں بھی ہوں اسی طرح کوئی مزدور مثلاً آٹھ گھنٹے کی مزدوری کر کے سو روپے حاصل کرتا ہے تو وہ سو روپے لے کر اپنے آٹھ گھنٹے کی محنت دیتا ہے۔ اسی طرح سرکاری ملازمین بھی ہیں، پس جس طریقے سے ایک تاجر ڈنڈی مار کر حرام پیسے کماتا ہے جو حکم اس کا قرآن میں بیان ہوا بالکل اسی طرح وہی حکم اس ملازم اور مزدور کا ہے جو تنخواہ تو پوری لیتا ہے لیکن ڈیوٹی پوری نہیں دیتا۔ اسی کو کرپشن کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک میں

عام ہے اور کام چوری ہمارا قومی شعار بن گئی ہے جیسا کہ سرکاری دفاتر کا حال آپ پر واضح ہے۔

کام چوری اور حرام خوری

پچھلے رمضان میں کراچی کے ایک سرکاری دفتر میں دارالعلوم کا ایک کام پیش آ گیا جو کہ جائز، نیک اور اچھا کام تھا اور اس کے بارے میں افسر بالا نے حکم بھی لکھ دیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ یہ کام جلد کیا جائے، لیکن نیچے کا افسر ٹال مٹول کرتا رہا تنگ آ کر اس سے کہا گیا کہ بھائی! ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپ اتنا بڑا کام ہمیں کچھ دیئے بغیر کروا رہے ہیں، ہم رمضان میں ایسا گناہ بے لذت کیسے کریں؟ یعنی اس نے ڈیوٹی کے کام کو رشوت کے بغیر گناہ بے لذت قرار دیا، غرض تنخواہ پوری لیتے ہیں اور پورا وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے'' حرام خوری اور کام چوری'' ہمارا قومی شعار بن گیا ہے بلکہ آج کل سرکاری دفاتر کے ملازمین کا تو یہ حال ہے کہ اگر کسی ملازم کو آفس جانے میں دیر ہو جائے اور کوئی اس سے کہہ دے کہ آج تم دیر سے آفس جا رہے ہو؟ تو کہتے ہیں ہمیں! کیا پرواہ ہے؟ ہمیں کون پوچھ سکتا ہے؟ کیا کسی کی جرات ہے جو ہم سے دیر سے آنے کے بارے میں پوچھ سکے؟ ہم جب چاہیں جائیں اور جب چاہیں آئیں ہمیں کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اسے اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ حرام کھا رہے ہیں۔

ڈیوٹی میں کمی کرنے والا بھی مُطَفِّفْ ہے

یاد رکھیں! جو شخص تنخواہ پوری لے اور ڈیوٹی کے وقت میں سے چوری کرے مثلاً ڈیوٹی کے اوقات میں دوستوں یا گھر والوں سے ٹیلی فون پر باتیں کرے، اخبارات پڑھے، دوسروں سے سیاسی بحث ومباحثہ کرے یا ویسے ہی وقت ضائع کرے۔تو اس کی تنخواہ خنزیر اور شراب کی طرح حرام ہے۔لیکن آج اس طرف دھیان نہیں ہے اور حرام خوری کا رواج ہے، اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ حرام خوری اور کام چوری میں ہم ہی لوگ مشہور ہوگئے ہیں اور اس معاملے میں مسلمانوں نے کافروں کو مات کردیا ہے۔ آپ یورپ اور امریکہ وغیرہ ممالک میں جائیں تو وہاں آپ کو یہ کام چوری نظر نہیں آئے گی اور کسی بھی دفتر میں کوئی ملازم خواہ وہ آپ کا بھائی ہی ہو، ڈیوٹی چھوڑ کر سوائے مختصر سی بات کے کوئی بات نہیں کرے گا، اس لئے کہ وہاں ڈیوٹی کے اوقات میں غیر ضروری بات چیت کرنا بھی انتہائی معیوب اور چوری کی بات سمجھا جاتا ہے، لیکن ہمارے یہاں اس کا عام رواج ہے اس کے باوجود دودھ والے کے دودھ میں پانی ملانے کی شکایت کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ خود کیا کر رہے ہیں؟ اگر ڈیوٹی پوری دی جاتی تو ہمارے ملک میں کوئی سڑک بھی ٹوٹی ہوئی نہ ہوتی جیسا کہ یورپ اور مہذب ممالک میں آپ کو کوئی سڑک ٹوٹی ہوئی نہیں ملتی کیونکہ سڑک بنانے والا عملہ اپنی ڈیوٹی پوری دیتا ہے، اسی طرح بجلی کی آنکھ مچولی آپ کو کسی مہذب ملک میں نظر نہیں آئے گی اور بجلی کی آنکھ مچولی تو درکنار، بجلی کا چلا جانا بھی وہاں

ایک ہولناک بات سمجھی جاتی ہے چنانچہ سالہا سال گزرنے کے بعد بھی وہاں بجلی نہیں جاتی، اور ہمارے یہاں بجلی آنکھ مچولی کھیلتی ہے اس لئے بجلی کا عملہ اپنی ڈیوٹی پوری نہیں دیتا، اخبارات واپڈ کے شرمناک کارناموں سے بھرے پڑے ہیں جس کی بناء پر بجلی مہنگی سے مہنگی تر ہوگئی اور اب کسی بھی قیمت پر صحیح طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔ ہمارے بچوں کو مدارس اور تعلیمی اداروں میں تعلیم نہیں ملتی، اسکولوں میں بچے جاتے ہیں تو اساتذہ ان کا وقت ضائع کرتے ہیں لہٰذا وہ اساتذہ بھی مطفف ہیں جو نہ پورا پڑھاتے ہیں اور نہ محنت کرتے ہیں بلکہ گپ شپ میں وقت گزار دیتے ہیں۔

ناپ تول میں کمی نہ کرنے والے بھی موجود ہیں

یہاں ایک بات مزید عرض کردوں کہ الحمدللہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سارے تاجر ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو نہ حرام کھاتے ہیں اور نہ کھلاتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی حلال ہی کھلاتے ہیں، جب کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں یہ مسئلہ معلوم ہی نہیں چنانچہ بہت سے لوگ کو جب میں نے یہ مسئلہ بتایا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو یہ بات معلوم ہی نہ تھی کہ ڈیوٹی میں کمی کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے۔

کرپشن اور کام چوری کے نتائج

غرض ہمارے ملک کا سب سے سنگین مسئلہ کرپشن اور کام چوری ہے

جس کے نتائج ہم اس صورت میں دیکھ رہے ہیں کہ کسی بھی شعبہ زندگی میں لوگوں کی ضروریات پوری نہیں ہورہیں کیونکہ جب تم ناپ تول میں کمی کروگے تو تمہیں بھی پورانہیں ملے گا، تمہاری جیب بھی لوگ ضرور کاٹیں گے اور اس چکر میں سوائے عذاب، مصیبتوں اور تکلیفوں کے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر آج کے بیان کا حاصل اورلب لباب یاد رہ جائے کہ مطفف جس کے بارے میں یہ پوری سورۃ بنام سورۃ المطففین نازل ہوئی، جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ملازم اور مزدور ہیں اور تنخواہ پوری لیتے ہیں اور ڈیوٹی مکمل نہیں دیتے۔ اس جرم کی وضاحت ایک تواس آیت سے ہوگئی اور دوسری اس بات سے وضاحت ہوجائے گی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے دردناک عذاب کی قرآن میں جو جابجاتصویر کشی کی گئی ہے۔ اُس قوم کا بھی یہی جرم تھا چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ"﴾

(سورہ ھود: آیت نمبر۸۴)

(ترجمہ): ''اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، انہوں نے (اہلِ مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم، تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (بننے کے قابل) نہیں، اور تم ناپ تول میں کمی مت کیا کرو''۔

جس طرح چاہیں تصرف کریں۔"

ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ مال ہمارا ہے، ہم جس طرح چاہیں تجارت کریں، اور اس میں ناپ تول کے اندر کمی کریں یا زیادتی، تمہیں اس میں مداخلت کا کوئی اختیار نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ جس عذاب کا تم بار بار تذکرہ کرتے ہو اسے لا کر تو دکھاؤ! چنانچہ اللہ کا عذاب آیا اور سخت گرمی پڑی جس کی وجہ سے لوگوں کے جسموں میں پھنسیاں نکل آئیں، ان کے دم گھٹنے لگے تو تہہ خانوں میں چلے گئے وہاں اس سے بھی زیادہ گھٹن تھی، پھر جب باہر نکلے تو شدید حبس تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی، اتنے میں ایک بادل اور گھٹا آتی دکھائی دی یہ لوگ اس غرض سے کہ اس کے نیچے ٹھنڈی ہوا ملے گی اور بارش برسے گی، خود بھی گھروں سے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے کو آوازیں دے دے کر پکارا۔

﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾

"یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔
(اس لئے اس کے نیچے جمع ہو جاؤ) "

(سورہ الاحقاف آیت ۲۴)

چنانچہ لوگ بستیوں اور گھروں سے نکل نکل کر اس کے نیچے جمع ہو گئے اس موقع پر قرآن کہتا ہے۔

﴿بَلْ هُوَمَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

(سورہ الاحقاف آیت ۲۴)

حبس تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی، پھر ایک بادل اور گھٹا آتی دکھائی دی یہ لوگ اس غرض سے کہ اس کے نیچے ٹھنڈی ہوا ملے گی اور بارش برسے گی، خود بھی گھروں سے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے کو آوازیں دے دے کر پکارنے لگے کہ

﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾

''یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔
(اس لیے اس کے نیچے جمع ہو جاؤ)''

(سورہ احقاف آیت ۲۴)

چنانچہ لوگ بستیوں اور گھروں سے نکل نکل کر اس کے نیچے جمع ہو گئے اس موقع پر قرآن کہتا ہے۔

﴿بَلْ هُوَمَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

(سورہ الاحقاف آیت ۲۴)

''(یہ گھٹا نہیں ہے) بلکہ یہ وہی عذاب جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے اس کے اندر ایک ہوا تھی جس میں درد ناک عذاب تھا۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بادل میں آگ برسی اور قوم کو جلا ڈالا۔

قوم شعیب علیہ السلام پر اس وقت مجموعی طور پر تین عذاب آئے جن میں سے ایک تو مذکور ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ﴾

(سورہ المومنون آیت ۴۱)

''انہیں چیخ نے آ پکڑا''

اور تیسری جگہ فرمایا:

﴿فاخذتهم الرجفة﴾

(سورہ العنکبوت آیت ۳۷)

''انہیں زلزلے نے آ پکڑا''

ان تینوں عذابوں کے آنے کی صورت یہ ہوئی کہ جبریل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری ان کی چیخ سے لوگوں کے دل پھٹ گئے، زمین شق ہوئی اور زلزلہ آیا اور اوپر سے آگ برسی جس سے ان تمام بستیوں کے لوگ اسی وقت فنا ہو گئے اور ایک جاندار بھی باقی نہ بچا چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

﴿فَاَصۡبَحُوۡا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُهُمۡ﴾

(سورہ الاحقاف آیت ۲۵)

''گھر رہ گئے اور ان کا کوئی مکین باقی نہ رہا۔''

یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہم بھی اس جرم میں مبتلا ہیں، ہم مصائب کی تو شکایت کرتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ تمام مصائب ہمارے ہی کرتوتوں کی وجہ سے نازل ہو رہے ہیں کیونکہ ہم نہ خود حلال کھانے کے لئے تیار ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کھلانا چاہتے ہیں۔ الاماشاء اللہ

پاکستان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن ہی ہے۔ اگر آج ہمارے ملک سے کرپشن ختم ہو جائے تو یقین کیجئے کہ ہمارا یہ ملک اتنا عظیم ہے کہ اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ہے۔ اور یہ بات میں اندھی عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دنیا کو دیکھنے کے بعد کہہ رہا ہوں، اور میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں دیکھا جہاں اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں بیک وقت موجود ہوں جتنی پاکستان میں ہیں۔ حرمین شریفین کا تو معاملہ ہی جدا ہے، لیکن حرمین شریفین کے بعد پاکستان ہی وہ واحد ملک ہے جہاں نعمتوں کی اتنی فراوانی ہے جو دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہے۔ چنانچہ کتنے ہی ممالک میں سمندر نہیں ہیں جب کہ ہمارے پاس سمندر بھی ہے، کتنے ہی ممالک میں پہاڑ نہیں اور ہمارے یہاں پہاڑ بھی ہیں، کتنے ہی ممالک میں میدانی علاقے نہیں جب کہ ہمارے یہاں موجود ہیں۔ کتنے ہی ممالک میں فقط سردی ہے، گرمی بالکل نہیں اور کتنے ہی ممالک میں فقط گرمی ہے، سردی بالکل نہیں اور ہمارے یہاں سردی بھی اور گرمی بھی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں ایسا تازہ گوشت نہیں ملتا جیسا پاکستان میں ملتا ہے۔ وہاں سبزیاں تازہ نہیں ہوتی، پھل اگرچہ خوبصورت پیکنگ میں ہوتے ہیں لیکن لذت اور مزے میں کم اور قیمت میں زیادہ ہوتے یں۔ اس کے باوجود پاکستانی لوگ ان تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے پاکستان کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ امریکہ میں جائیں تو معلوم

ہوتا ہے کہ سارا پاکستان ہی وہاں منتقل ہوگیا ہے، یہی حال انگلینڈ، ہانگ کانگ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں پاکستانیوں کے پائے جانے کا ہے اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم وہاں سے کیوں آئے ہو؟ تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہے گا کہ وہاں کھانے کی چیزیں اچھی نہیں ملتیں بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ وہاں کرپشن ہے بدعنوانی اور بدامنی اور بدنظمی اس لئے وہاں سے بھاگ کر یہاں آگئے۔ اللہ کا یہ عذاب ہمیں اس گناہ کے نتیجے میں مل رہا ہے اور اسی کے نتیجے میں پوری دنیا میں ہماری تجارت کمزور ہے۔

ہم دوسرے ممالک میں جا کر وہاں موجود پاکستانی تاجروں سے پوچھتے ہیں کہ آپ پاکستانی تاجروں سے کیوں تجارت نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو دلی تمنا یہی ہے کہ ہم پاکستان سے تجارت کریں لیکن پاکستان تاجروں سے کئی مرتبہ دھوکہ کھانے کے بعد ہم نے کان پکڑ کر توبہ کرلی کہ آئندہ پاکستان سے تجارت نہیں کریں گے۔

ناپ تول میں کمی پر مختلف عذاب

حاصل یہ کہ اگر آج کے اس اجتماع سے ہمیں یہ فائدہ پہنچ جائے کہ ہم اپنی ڈیوٹیاں صحیح طور پر انجام دینے لگیں اور ہر شخص اپنی تجارت میں ڈنڈی مارنے کا کام چھوڑ دے تو ہمارے ملک کے سارے مسائل حل ہوجائیں گے، اور ہمارا ملک بہترین ملک ہوگا جو کہ اس جرم کی وجہ سے جہنم بنا ہوا ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے۔

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَدنى دُوْنَ الْعَذَابِ الاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (سورۃ السجدہ آیت ۲۱)

”اور ہم عذاب اکبر سے پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ لوگ باز آجائیں (اور توبہ کرلیں)“

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ان گناہوں کے نتیجے میں بارش نہیں ہورہی، سندھ اور بلوچستان میں بارش نہیں ہورہی، معلوم ہوا ہے کہ کوئٹہ میں پانی ، اتنا زیادہ گہرائی میں چلا گیا ہے کہ نکالنا مشکل ترین ہورہا ہے وہاں کی جھیل بھی خالی پڑی ہے اور لوگ بارش کو ترس رہے ہیں۔ لیکن اسی دن یہ بھی معلوم ہوا کہ امریکہ کے ایک شہر میں بارش ہوئی اور اس نے تباہی پھیلا دی اور وہاں کا ڈیم توڑ دیا جس کی وجہ سے آس پاس کی بستی تباہ ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا عذاب مختلف طریقوں سے آتا ہے، کبھی اس طرح کہ بارشیں روک دی جاتی ہیں اور کبھی اس طرح کہ بارشیں ہوتی ہیں اور تباہی پھیلاتی ہیں۔ اس لئے اس وقت توبہ کی ضرورت ہے، اگر توبہ کرلیں گے تو انشاء اللہ سارے عذاب ہٹ جائیں گے۔

کارگل میں ہمیں اتنی اعلیٰ کامیابی حاصل ہونے والی تھی کہ ہم خوشی سے سرشار تھے، ہمارے مجاہدین نے جان کی بازی لگا کر بھارت کی گردن اس طرح دبوچ رکھی تھی کہ بھارت بلبلا اٹھا تھا۔ لیکن یہ ہماری کمزوری ہی تو تھی کہ ہم واپس آگئے اور اللہ نے ہمیں اتنا ذلیل کیا کہ ہم کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہے۔ یقین کیجئے کہ یہ ہم پر اللہ کا عذاب ہے، جب تک ہم اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی سے توبہ نہیں کریں گے اس وقت تک شاید یہ عذاب ہم

سے جدا نہ ہو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

﴿یَـٰٓاَیُّھَـا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾

(سورہ التحریم آیت ۸)

"اے ایمان والوں! اللہ سے پکی سچی توبہ کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کا کفارہ کردے گا۔"

توبہ کرنے سے یہ عذاب انشاء اللہ ٹل جائیں گے اور مومن پر یہ عذاب اسی وجہ سے آتے ہیں کہ وہ توبہ کریں۔ اور توبہ ایسی چیز ہے کہ توبہ کرنے کے بعد انسان گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ناپ تول میں کمی کام چوری اور حرام خوری سے سچی پکی توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق

موضوع : اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)

مقام : جامع مسجد ڈیوزبری لندن

باہتمام : محمد ناظم اشرف

اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق

بعد از خطبہ مسنونہ:۔

حضرات علماء کرام!

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

میرے خیال میں یہ اجتماع باہمی تبادلہ خیال کی غرض سے ہے، اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں کہ علماء کو وعظ ونصیحت کروں بلکہ میری حیثیت ایک طالب علمانہ ہے، بزرگوں کی کچھ باتیں سنی ہوئی ہیں جو کسی ترتیب کے بغیر ہم انشاء اللہ آپس میں کریں گے، اس میں کسی ترتیب کا انتظار نہ فرمائیں بلکہ جو باتیں یاد آتی جائیں گی، وہ کرتے جائیں گے۔

بچپن میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ دہلی کی سیر

بچپن میں جب کہ میری عمر سات سال کی ہوگی میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دہلی تشریف لے گئے اور ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم کے ساتھ مجھے بھی لے گئے، میں نے کبھی دہلی شہر نہیں

دیکھا تھا اس لیے حضرت والد صاحبؒ سارے دہلی میں ہمیں گھما پھرا لائے، ہمایوں کا مقبرہ، لال قلعہ، جامع مسجد دہلی اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر بھی حاضری ہوئی اور نظام الدین مرکز بھی گئے، اس وقت تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مرض الوفات میں تھے اور ملاقات بند تھی جس کا حضرت والد صاحبؒ کو علم نہیں تھا۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی فرمائش

حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

اتنی بات درمیان میں عرض کردوں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی بڑی تمنا تھی کہ حضرت والدصاحبؒ، ان کے ساتھ تبلیغ کے کام میں لگ جائیں، ان کی اس تمنا کے اظہار پر حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں تو اپنا ہاتھ اپنے مرشد کے ہاتھ میں دے چکا ہوں، وہ جیسا حکم فرمائیں گے، اس کی تعمیل کروں گا، پھر حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مراجعت فرمائی تو حضرت تھانویؒ نے معذرت کرکے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے فرمایا کہ جس مبارک کام میں آپ لگے ہیں، انشاء اللہ اس کام کے کرنے والے آپ کو بہت مل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جذبہء اخلاص دیا ہے، اس لئے یقیناً آپ کی مدد ہوگی اور بلاشبہ بہت عظیم الشان کام ہے ،مگراس میں محققین علماء کی ضرورت نہیں اس لئے اس کام کے لئے آپ کو بے شمار افراد مل جائیں گے،لیکن جس انداز سے میں یہاں (تھانہ بھون میں) تصنیف وتالیف اور عصری مسائل کی تحقیق کر رہا ہوں، اس کے کرنے والے شاذ ونادر ہیں، میرے پاس بڑی مشکل سے دو چار جمع ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہیں تو اگر ان کو آپ کے

پاس بھیج دوں گا تو میرا کام بند ہوجائے گا۔ اسی لئے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی تھی۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ

تو جب ہم نظام الدین پہنچے تو ایک نوجوان صاحب ملے، انہوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا، اور خیریت معلوم کرنے کے بعد فرمایا کہ معالجین نے والد صاحبؒ سے ملاقات کرنے پر پابندی لگا رکھی ہے، اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا مقصد تو عیادت تھا سو وہ حاصل ہوگیا اس لئے آپ ابھی مولانا کو اطلاع نہ دیں بلکہ جب موقع ملے تو میرا سلام عرض کرکے بتادیں کہ عیادت کے لئے آیا تھا، پھر ہم رخصت ہوگئے، ان نوجوان صاحب کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے، ابھی ہم دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ دوڑتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ والد صاحبؒ، آپ کو یاد فرمارہے ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے حضرت صاحبؒ کی زیارت کی۔ اور اتنا ہی یاد ہے کہ چارپائی پر عمامہ باندھے، لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے والد صاحبؒ کو اپنے پاس چارپائی پر ہی بٹھالیا، والد صاحبؒ نے تامل بھی کیا مگر ان کے اصرار پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ فرمایا اور بچوں کی طرح بے تحاشا بلک بلک کر رونے لگے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت والد صاحبؒ ان کو تسلی دے رہے ہیں لیکن ان کو تشفی نہیں ہورہی تھی، پھر حضرت والد صاحبؒ نے کچھ اور فرمایا تو یکا یک خاموش ہوگئے، یوں لگا جیسے ان کو تسلی ہوگئی ہو۔اس وقت تو میں نہیں سمجھا کہ کیا فرمایا؟ بعد میں حضرت والد صاحبؒ نے ساری بات سنائی۔ حضرت والد صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی یہ آخری ملاقات تھی۔ مولانا محمد الیاس

صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے ایسا کام لیا اور اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ کوئی دینی تنظیم بلکہ شائد تمام مذاہب میں کوئی تنظیم اتنی پُر اثر، اتنی منظّم اور اتنے وسیع پیمانے پرنہیں پھیلی، جتنا کام ان کا پھیلا۔ یہ ان کے دل کی نہ بجھنے والی تپش تھی جو امت کی بے تاب فکر نے پیدا کی تھی۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا اخلاص

حضرت والد صاحبؒ نے عرصہ دراز بعد جب میں یہ باتیں کچھ سمجھنے لگا تھا فرمایا کہ مولانا سے ملاقات کے وقت میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں نے باہر منع کیا تھا کہ ابھی آپ کو اطلاع نہ دی جائے تو حضرت نے فرمایا کہ آپ کی تو اس وقت سخت ضرورت تھی کیونکہ میں اس وقت ایک بڑی پریشانی میں مبتلا ہوں پھر اس طرح بلک بلک کر روئے کہ ان سے بولا بھی نہیں جارہا تھا بڑی مشکل سے اتنا فرمایا کہ میں نے جب یہ دعوت کا کام شروع کیا تھا، مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی تیزی سے اس قدر پھیل جائے گا، مجھے تو یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ ''استدراج'' نہ ہوتو حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! یقین کیجئے کہ یہ استدراج نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ہے اور مقبولیت کی علامت ہے، اوراس کی دلیل بھی میرے پاس موجود ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ استدراج کرتے ہیں، اس کو کبھی وہم وگمان بھی نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ استدراج ہورہا ہے وہ اسی زعم میں مبتلا رہتا ہے کہ یہ میرا کمال ہے، میری محنت اور حسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے، جبکہ آپ کو یہ فکر ہے کہ کہیں یہ استدراج تو نہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ استدراج نہیں ہے بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ مقبولیت کی علامت ہے۔

ان بزرگوں کی بھی عجیب شان تھی کہ ہر وقت محاسبہ نفس اور اپنی

کوتاہیوں کی طرف نظر رکھتے تھے اور ہمارا یہ حال ہے کہ تھوڑا سا کام کرنے پر اس کو اپنے کمال پر محمول کرتے ہیں۔

مفتی اعظمؒ کی عاجزی

ہمارے والد صاحب کے ایک معالج شروع میں بڑے آزاد منش تھے، یہ ڈاکٹر ہاشمی صاحب حضرت والد صاحبؒ کے آخر وقت تک معالج رہے، بڑے سرجن تھے، ان کی فیس بھی بہت زیادہ تھی، حضرت والد صاحب سے غائبانہ تعارف ہوا تو علاج کے لئے آگئے، پھر ازخود ہی ہر جمعہ کو پابندی سے صبح آٹھ بجے آنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا علاج شروع کیا ادھر حضرت والد صاحبؒ نے اپنا علاج شروع فرمادیا، ڈاکٹر صاحب کی اُس وقت ڈاڑھی تو نہیں تھی مگر بلا کے ذہین اور شریف زادے تھے۔ رفتہ رفتہ حضرت والد صاحبؒ کی محبت وعقیدت ان کے دل میں گھر کرتی چلی گئی۔

مجھے یاد ہے کہ جب سب سے پہلے حضرت والد صاحبؒ کو دل کا دورہ پڑا تو صبح کو مجھ سے فرمایا "ڈاکٹر ہاشمی کے پاس لے چلو" جب ہم ان کے پاس گئے، تو انہوں نے مطب سے باہر آکر کار ہی میں معائنہ کیا اور فوراً ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا ہم سراسیمگی کی حالت میں رخصت ہونے لگے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کے متعلق ایک خاص بات کہی کہ اس انسان میں تواضع کی صفت ایسی انوکھی ہے کہ ان کو یہ معلوم بھی نہیں کہ ان میں تواضع (انکساری) ہے۔

حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ میں باہمی احترام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے درمیان تحریک پاکستان کے بارے میں رائے کا زبردست اختلاف تھا مگر آپس میں تعظیم اور ادب میں کمی نہ تھی، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے باہم مل کر مشورہ کیا کہ حضرت تھانویؒ سے اس بارے میں بات کرنی چاہیے کیونکہ حضرت مدنیؒ اس تحریک کے موافق نہیں تھے جب کہ حضرت تھانویؒ تحریک پاکستان کے حامی تھے اور اپنے بعض خلفاء کو بھی اس کام پر لگا رکھا تھا۔ جب یہ تینوں حضرات تھانہ بھون تشریف لائے تو چونکہ وہاں ہر کام کا ایک نظم اور وقت مقرر تھا عشاء کے بعد مقررہ وقت پر خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہ تینوں حضرات کسی کو اپنی آمد کی اطلاع کئے بغیر باہر دروازے پر ہی چادر زمین پر بچھا کر سو گئے، جب حضرت حکیم الامتؒ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ حضرات سو رہے ہیں، قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرات ہیں تو بڑی پرتپاک ملاقات ہوئی، سوال کیا کہ کب تشریف آوری ہوئی؟ ناچیز کو کیوں اطلاع نہ فرمائی؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ رات کو دیر سے آئے تھے، خانقاہ کا دروازہ بند چکا تھا، ضابطے کے خلاف اسے کھلوانے کو خلاف ادب سمجھا، تو حضرت تھانویؒ نے بہت ہی افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میرا تو دل بہت دکھ رہا ہے کہ آپ نے یہ تکلیف برداشت کی، مجھے اطلاع کروا دی ہوتی اس خادم کو کچھ خدمت کا موقع مل جاتا۔ اب آپ غور فرمائیں کہ جس وقت اختلافات اپنے عروج پر تھے، ایک دوسرے کی طرف سے کتابیں اور مضامین لکھے جا رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف دلائل جمع کئے جا رہے تھے، اس وقت بھی باہمی مؤدّت واحترام کا یہ عجیب حال تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا دار العلوم دیوبند سے استعفیٰ

ایک واقعہ اسی تحریک کے سلسلے میں میرے ساتھ میرے بچپن میں پیش

آیا جبکہ حضرت والد صاحبؒ دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے تھے۔ چونکہ اکابر دارالعلوم کی دیوبند ایک جماعت اس تحریک سے اختلاف رکھتی تھی اس لئے حضرت والد صاحبؒ نے یہ سوچ کر کہ دار العلوم میں رہ کر فتاویٰ کے اختلاف سے ادارہ کو نقصان ہوگا اور طلباء واساتذہ میں گروپ بندی ہوجائے گی، استعفیٰ دے دیا اور حضرت تھانویؒ کا مشورہ بھی یہی تھا۔ اسی زمانے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے بعد، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی خدمت میں جانا طے ہوا کہ ان سے مشورہ کریں گے چنانچہ مجھ سے فرمایا کہ جاؤ! دیکھ کر آؤ کہ حضرت شیخ الادب تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں نے بجائے اس کے کہ باہر ہی کسی سے دریافت کرلیتا، جاکر حضرت کے حجرہ پر دستک دے دی، حضرت باہر تشریف لائے تو میں نے کہا کہ والد صاحبؒ نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ موجود ہیں یا نہیں؟ واپسی میں جگہ جگہ میرے ہم عمر بچے کھیلتے نظر آئے بار بار ان کے پاس رکنے کی وجہ سے دیر سے گھر واپس آیا، یہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الادب تشریف فرما ہیں۔ اب آپ غور کریں کہ یہ زمانہ آپس میں اختلاف کے عروج کا تھا اور حضرت شیخ الادبؒ کی رائے مسلم لیگ کے خلاف تھی اگرچہ حضرت والد صاحب، حضرت شیخ الادبؒ کے شاگرد تھے لیکن آپس میں محبت اتنی تھی کہ جب ان کو اپنے ایک شاگرد کی آمد کے ارادے کا علم ہوا تو ازخود ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔

علماء دیوبند کا اخلاص

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا مشہور معمول تھا کہ لوگوں کو سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے، کسی کو سلام میں سبقت نہیں کرنے

دیتے تھے، حتی کہ بعض مرتبہ طلباء حضرت کو پہلے سلام کرنے کی نیت سے نکلتے، لیکن مولانا ان کو اتنی مہلت ہی نہ دیتے اور پہلے خود ہی سلام کرتے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو علماء دیوبند کا ڈنکا بجا اور ان کا نور پورے عالم میں پھیلا، یہ صرف ان کی علمی تحقیق کا نتیجہ نہ تھا کیونکہ عالم اسلام میں اور بھی بڑے بڑے محقق علماء اسی زمانے میں ہوئے ہیں لیکن علمائے دیوبند کی خصوصیت یہ تھی کہ زندگی کے ہر شعبے میں اتباع سنت ان کا شعار تھا وہ فقہِ ظاہر اور فقہ باطن دونوں کے جامع تھے، ان کی زندگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخلاق وکردار کا نمونہ تھی۔

پیدائشی ولی

حضرت والد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ان کے استاذ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ، جنہوں نے میرے دادا مولانا محمد یاسین صاحبؒ سے پڑھا تھا، ان کے بارے میں تمام علماء میں یہ بات زبان زد اور مشہور تھی کہ حضرت میاں صاحبؒ مادرزاد ولی ہیں، ہم بچپن میں ان کے یہاں بہت جاتے تھے، جب بھی ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اکثر ڈاکٹر کے یہاں جانے کے بجائے حضرت والد صاحبؒ ہمیں فوراً حضرت میاں صاحبؒ کے یہاں لے جاتے، وہ دم کردیتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شفا ہوجاتی تھی۔ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ان کی بے تکلفی بہت تھی، اور جب حضرت والد صاحبؒ نے دیوبند میں تجارتی کتب خانہ کھولا تو اس میں ان کی بھی شراکت تھی۔

حضرت میاں صاحبؒ کی احتیاط

حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ دیوبند

میں ایک کسبی (پیشہ ور) عورت ان ہی کے محلے میں رہتی تھی، جب حضرت میاں صاحبؒ اپنے مکان کی طرف جاتے تو اس کا مکان راستہ میں پڑتا تھا جب رات کو وہاں سے گذر ہوتا تو حضرت میاں صاحبؒ اس مکان کے قریب پہنچنے پر اپنا جوتا اتار دیتے اور دور جا کر پہن لیتے۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کسبی عورت ہے اس کے پاس جوانی میں بہت گاہک آتے تھے، اب اس کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے پا س کوئی نہیں آتا اور یہ انتظار کرتی رہتی ہے، اگر اس نے میری آہٹ سن لی تو اس کو امید بندھے گی کہ کوئی گاہک آرہا ہے لیکن میرے گذر جانے کے بعد اس کو افسوس ہوگا لہٰذا اس کی تکلیف کے خیال سے میں جوتا اتار دیتا ہوں۔ کسی کا دل بے وجہ کیوں دُکھاؤں۔ حضرت میاں صاحبؒ صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے، ایک، دو واقعات یہاں نقل کرتا ہوں۔

حضرت میاں صاحبؒ "صاحب کشف" بزرگ تھے

میرے برادر بزرگ وار جناب محمد زکی صاحب کیفی مرحوم بڑے خوش مزاج اور بزرگوں کے لاڈلے تھے، حضرت تھانویؒ نے خلافِ معمول انہیں صغر سنی ہی میں بیعت فرمالیا تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں جب دیو بند میں تھا تو ایک ضخیم ناول چھپا اور بہت مشہور ہوا، میں نے لائبریری سے لا کر اس کو چوری چھپے پورا پڑھا، جب اسے واپس کرنے جانے لگا تو حضرت والد صاحبؒ نے ایک پیغام دیا کہ حضرت میاں صاحب کو پہنچا دو، میں نے وہ ناول اپنے کپڑوں میں چھپالیا، اور حضرت کی خدمت میں پیغام پہنچا کر واپس ہونے لگا تو حضرت میاں صاحبؒ نے اس ناول کا نام لیکر فرمایا ارے زکی تم نے وہ ناول پڑھ لیا؟ کیسا تھا؟ اچھا لگا، تو میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔

حضرت میاں صاحبؒ کی فنائیت

ایک مرتبہ دیو بند میں بارش کے بالکل بند ہوجانے کی وجہ سے قحط سالی ہوگئی تو نماز استسقاء پڑھنا طے ہوا، بستی سے باہر دو دن تک شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے نماز پڑھائی، بارش نہ ہوئی، تیسرے دن حضرت میاں صاحبؒ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا آج مجھے پڑھانے دیجئے، حالانکہ حضرت میاں صاحبؒ امامت سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے، بہرحال تیسرے دن حضرت میاں صاحبؒ نے نماز پڑھائی، حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ زندگی بھرتو کبھی نماز نہیں پڑھائی اور آج خود ہی درخواست کرکے امامت فرمائی، واپسی میں، میں نے وجہ پوچھی تو اوّلاً ٹال دیا لیکن کچھ اصرار کے بعد (چونکہ صاحب کشف تھے) فرمانے لگے بارش نہیں ہوگی، اور حضرت مدنیؒ کے دیو بند میں کچھ لوگ مخالف ہیں، اگر آج بھی وہی نماز پڑھاتے تو مخالفین طعنہ دیتے کہ نعوذ باللہ ان کی نحوست کی وجہ سے بارش نہیں ہوئی، تو میں نے سوچا کہ اس طعنے میں، میں بھی شامل ہوجاؤں۔ اور آج کا زمانہ اس سے بالکل برعکس ہے کہ اختلافات میں نجانے کیا کیا کچھ کہہ جاتے ہیں، اور جس سے اختلاف ہے، اُسے لوگ برا کہیں تو خوش ہوتے ہیں۔

آج اخلاص میں کمی ہے

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دینی مدارس تیس سال سے بانجھ ہوچکے ہیں کہ ان مدارس سے ''مولوی'' پیدا نہیں ہوتا'' مولانا'' تو بہت پیدا ہورہے ہیں لیکن مولوی کوئی پیدا نہیں ہوتا، مولوی کے معنی ہیں'' اللہ

والا'' اور وہ آج مفقود ہے۔

علم مولی ہو جسے، ہے مولوی
جیسے حضرت مولویؒ معنوی

ہمارے دادا مرحوم، دارالعلوم کے ہم عمر تھے کیونکہ جس سال ان کی ولادت ہوئی ہے، اسی سال دار العلوم کی ابتداء ہوئی تھی، انہوں نے دیو بند ہی میں حضرت حکیم الامت صاحبؒ کے ساتھ دورہ تک تعلیم حاصل کی، وہ فرماتے تھے کہ '' میں نے دارالعلوم دیو بند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب یہاں کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے'' ان بزرگوں کے حالات سے معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات نے اپنے نفس کو بالکل مٹادیا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا اخلاص

حضرت والد صاحبؒ نے ایک واقعہ سنایا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے کانپور میں ایک جلسہ منعقد کروایا جس میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو دعوت دی اور کانپور کے ان علماء کو بھی دعوت دی جن کو اپنے عقلی علوم پر ناز تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اہل دیو بند اِن علوم سے عاری ہیں۔ بہرحال حضرت شیخ الہندؒ نے بیان شروع فرمایا۔ حضرت شیخ الہندؒ تو ہر علم وفن تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ اور منطق وغیرہ کے حتیٰ کہ جہاد کے بھی امام تھے اپنے بیان کے اندرعلوم وفنون کے وہ دریا بہائے کہ مجمع میں موجود تمام بڑے بڑے علماء کرام بھی مبہوت رہ گئے، اسی دوران وہ علماء معقولیین مع اپنے مریدوں کے آگئے، حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو دیکھا تو قدرے توقف کیا اور اسی وقت مضمون کو ادھورا چھوڑ کر بیٹھ گئے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت کیا

بات ہے، خیریت تو ہے؟ فرمایا ''بس اب بیان نہیں کروں گا، حضرت حکیم الامتؒ نے عرض کیا کہ '' حضرت اب تو بیان کا وقت آیا تھا۔'' فرمایا کہ ہاں! میرے دل میں بھی یہی خیال آ گیا تھا، اسی لئے تقریر ختم کردی کیونکہ پہلے اللہ کے لئے تھی اور اب اس میں دکھاوا شامل ہوجاتا۔'' تو اصل بات یہ ہے کہ آج کل اخلاص کی کمی ہے، پہلے زمانے میں مدرسے، تنظیمیں اور کتابیں بھی اتنی تعداد میں نہ تھیں جتنی کہ اب ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ آج کے دور میں بدعات اور اہل باطل کو زیادہ فروغ ہورہا ہے، اور علماء کی آواز مغلوب ہوتی جارہی ہے، ورنہ ایک زمانہ میں علماء کی آواز میں طاقت ہوتی تھی جو دلوں میں آگ لگادیتی تھی کیونکہ وہ دل سے نکلتی تھی، اخلاص پر مبنی ہوتی تھی، اب وہ اخلاص اور فنائیت باقی نہیں رہی۔

فنائیت اصل ہے

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ نے سنایا کہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ باطنی ترقی میں فنائیت اصل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کردیا جائے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو فنائیت ہے یہ کہتے ہوئے حضرت نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا جو میرے دل پر پڑا۔

کہاں حضرت سید صاحب کا وہ جاہ وجلال کہ قاضی القضاۃ تھے، تعلیم یافتہ طبقہ میں اپنا ایک اثر رکھتے تھے اور علامہ اقبال جیسے لوگ ان کے مداح تھے اور کہاں بعد میں وہ فنائیت اور درویشی، حضرت سید صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اسی فنائیت کے جھٹکے نے میری زندگی بدل ڈالی۔

اپنا قبلہ درست کرلیجئے

علامہ اقبال مرحوم کو جب معلوم ہوا کہ حضرت سید صاحبؒ نے حضر
ت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ بیعت کرلی ہے تو مرحوم نے حضرت سید
سلیمان ندوی صاحبؒ کو خط میں لکھا کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اللہ نے آپ ؛
وہ مقام دیا ہے کہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں تو حضرت سید صا
نے جوب دیا کہ میں نے اپنا قبلہ درست کرلیا ہے آپ بھی کرلیجئے۔

حضرت والد صاحبؒ سے شرفِ تلمذّ

الحمد للہ ہم نے کئی کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے پڑھی ہیں، سب سے
پہلا سبق تو دار العلوم دیو بند میں قاعدہ بغدادی ہی کا پڑھا تھا، میرا بالکل بچپن
تھا، مجھے اپنے ساتھ لے جاتے اور دار الافتاء میں قاعدہ پڑھانا شروع کردیا۔

پہلی تختی پڑھائی ، پھر دوسری ، پھر تیسری ، یہاں تک کہ تشدید والا
سبق آ گیا تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا دیکھو! یہ تشدید ہے جس حرف
پر تشدید ہو وہ دو مرتبہ پڑھا جائے گا، میں نے اُسے دو دفعہ تو پڑھا، مگر
دونوں دفعہ متحرک کرکے پڑھا، انہوں نے مجھے بار بار مختلف طریقوں سے
سمجھانے کی کوشش فرمائی مگر میں غلط ہی پڑھتا رہا، تنگ آکر انہوں نے
مجھے ایک طمانچہ رسید کیا۔ زندگی کے اس پہلے طمانچے پر میں اتنی زور زور
سے رویا کہ پورا دار الافتاء سر پر اٹھالیا حضرت والد صاحبؒ بھی پچھتائے
کہ یہ ایک نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے، بالآخر پیسے دیکر فرمایا جاؤ باہر گھوم آؤ
تب جا کر کہیں یہ معاملہ نمٹا۔

پھر الحمد للہ دارالعلوم کراچی میں مؤطا امام مالکؒ اور شمائل ترمذی کا سبق
بھی حضرت والد صاحبؒ سے پڑھا اور دورہ حدیث سے فراغت کے بعد ہم نے

تخصص فی الافتاء بھی آپ ہی کے زیرِ تربیت کیا، اور اس میں درمختار کا مقدمہ اور شرح عقود رسم المفتی بھی آپ ہی سے پڑھی۔ وللّٰہ الحمد۔

علم باطن کی اہمیت

تخصص فی الافتاء میں تربیت کے دوران حضرت والد صاحبؒ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ضابطہ کی رسمی تعلیم تو پوری کروادی ہے لیکن ابھی تمہیں علم باطن کی خبر نہیں جس کے بغیر نہ علم مکمل ہوتا ہے نہ دین، کسی عالم دین کی اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں جب تک اصلاح باطن حاصل نہ ہو، اس لئے جس فکر و اہتمام سے تم نے یہ ظاہری علوم حاصل کئے ہیں اسی اہتمام سے کسی بزرگ کا دامن تھام لو، کیونکہ جب تک کسی بزرگ کے ہاتھوں میں اپنے آپ کو

"کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغَسَّال"

(اُس میت کی طرح جو غسل دینے والے کے ہاتھوں میں بے اختیار ہوتا ہے)

سپرد نہ کردو گے، اس وقت تک اصلاح نہ ہوگی اور تربیت باطن کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت عارفیؒ سے اصلاحی تعلق

پھر ہم دونوں بھائیوں کو حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفیؒ سے بیعت کروایا اور نگرانی کرتے رہے کہ ہمیں اس طرف کوئی دلچسپی بھی پیدا ہوئی کہ نہیں؟

ہمارے مرشد و آقا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے یہاں عام مجلس جمعہ

کو ہوتی تھی، اور ہم دونوں بھائیوں کے لئے خصوصی مجلس پیر کے دن ہوتی تھی، ہم کراچی کے نواحی علاقے کورنگی میں رہتے تھے، حضرت کا قیام تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر شہر میں تھا۔اس زمانے میں حضرت والد صاحبؒ اور محترمہ والدہ صاحبہؒ دونوں ہی کی طویل علالت کا سلسلہ تھا،شہر جاتے ہوئے راستے میں ہمیں ڈاکٹروں سے ملنا اور دوا وغیرہ خریدنا ہوتی تھی اس لئے مجلس میں کبھی کبھی دیر سے پہنچتے تھے، ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے پوچھا کہ تم حضرت کے پاس کب پہنچے تھے؟ کیا حضرت کے بیٹھنے سے پہلے حاضر ہوگئے تھے؟ ہم نے جواب دیا کہ بعد میں پہنچے تھے، تو فرمایا کہ یہ خطرناک بات ہے تم نے مرشد کو تکلیف پہنچائی، مرشد کو ادنی تکلیف پہنچانا بھی بہت خطرناک ہے۔غرض اس سلسلے میں بہت تنبیہ فرمائی۔

اصلاح باطن کے بغیر چارہ کارنہیں

یہاں موجود نوجوان علماء سے میری بھی یہی درخواست ہے کہ وہ فقہ باطن اور اصلاح باطن کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ کیونکہ اس کے بغیر تو چارہ کار نہیں ہے یقین کیجئے اس کے بغیر نہ زبان میں اثر ہوگا اور نہ سننے والوں کو اطمینان واعتماد ہوگا اور نہ ہی مقبولیت اللہ کے یہاں ہوگی جب تک کہ باطن کی اصلاح نہ ہوجائے اور یہ خبیث نفس قابو میں نہ آجائے، لیکن یہ بھی یاد رکھیں! کہ نفس کی شراتوں کو موت نہیں آتی بلکہ یہ سالہا سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد بھی حملہ کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائے۔ آمین

ہمیشہ اجتماعی مشورہ کے بعد فتویٰ دیں

حضرت والد صاحبؒ ایک بات پر عمل کے ساتھ ساتھ کثرت سے

اس کی تاکید بھی فرمایا کرتے تھے کہ اجتماعی مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے بلکہ ہمیشہ اجتماعی مشورہ کے بعد کام کرنا چاہیے چنانچہ ''حیلہ ناجزہ'' جب تصنیف ہوئی تو برسوں تحقیق ہوتی رہی، تحقیق کا کام حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحبؒ کے سپرد کیا تھا تو مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ سفر کرکے ہمارے گھر دیوبند آجاتے اور اوپر کے کمرے میں دونوں حضرات صبح سے شام تک خوب بحث ومباحثہ اور غور ومشورہ کرتے رہتے، ہمیں نیچے تک آوازیں آتیں، برسوں کی تحقیق کے بعد جب کام مکمل ہوا تو مسودہ دوسرے علماء کرام اور ارباب افتاء کی خدمت میں بھیجا، اور جواب آنے پر اس کو شائع کیا۔

کراچی میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا قیام

اسی اجتماعی مشورے اور غور وفکر کے لئے کراچی میں حضرت والد صاحبؒ نے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ اپنے مدرسے کے اہل فتویٰ علماء کرام کو لے کر اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء کو لے کر اور حضرت والد صاحبؒ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ اور مفتی حضرات کو ساتھ لے کر اس میں شریک ہوتے۔ اس میں شرکت کا بحمد للہ ہمیں بھی موقع ملتا تھا، صبح سے رات تک مشورہ ہوتا رہتا پھر مسئلہ طے نہ ہونے پر سب کو کام تقسیم کردیا جاتا کہ مسئلہ کے فلاں پہلو پر فلاں کو مواد جمع کرنا ہے اور فلاں جزو پر فلاں کو جمع کرنا ہے۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ اس مجلس میں تقریباً دو سال چلتا رہا، جب سب کا اتفاق ہوگیا تب حضرت والد صاحبؒ نے فتویٰ لکھا، مجلس کے دستخط ہوجانے کے

بعد بھی اس کو شائع نہیں کیا بلکہ دوسرے اہم مدارس کے دار الافتاء وں میں بھیجا اور ان سے تصدیق کروائی۔

اسی طرح پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کے مسئلے پر بھی دو سال تک تحقیق جاری رہی۔ پھر دوسرے اہل فتویٰ کے دستخط کروائے اور دوسرے مدارس کے دار الافتاء وں سے تصدیق کروانے کے بعد اس کو شائع کیا۔

اسی طرح منکرینِ حدیث کے سر گروہ غلام احمد پرویز کے کفر کا فتویٰ بھی طویل عرصے کے غور وفکر اور باہمی مشوروں کے بعد دیا گیا وہ اردو کا بڑا ادیب تھا چنانچہ اس کی ساری کتابیں جمع کی گئیں پھر وہ کتابیں ہم سب میں ایک ایک کر کے تقسیم کی گئیں کہ ان کا مطالعہ کریں اور اس کی کفریات کو عبارت کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ علیحدہ نقل کر کے جمع کریں تاکہ یقین سے معلوم ہو کہ اس کی مراد کیا ہے؟ ہفتوں اور مہینوں میں یہ کام ہوا، پھر ان نقل شدہ عبارتوں کو اجتماعی طور پر مجلس میں سننے کے بعد سوچا گیا کہ کس کس عبارت میں تاویل ممکن ہے؟ جن باتوں میں تاویل ممکن تھی ان کو الگ کر لیا گیا اور جن میں تاویل کی گنجائش نہ تھی ان میں بھی دوبارہ غور ہوا، اس احتیاط کے ساتھ اس کے کفر کا فتویٰ لکھا گیا، اور تمام اہم دار الافتاء وں کی تائید کے بعد شائع ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہمارے بزرگوں کے فتاویٰ میں تاثیر ہوتی تھی، اور عوام ان کے فتاویٰ کو بے چون وچرا تسلیم کر لیتے تھے، اور آج ایسی حالت ہوگئی ہے کہ اہم اجتماعی مسائل میں انفرادی طور پر فتوے دیدیئے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں فتاوی میں اختلاف ہوتا ہے، اور عوام بے یقینی اور الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور فتاوی کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔

بزرگوں سے تعلق میں برکت ہے

بہر حال بزرگوں کے کمالات باطنی کی بات چل رہی تھی، الحمدللہ

ہمارے بزرگوں کے تربیت کے سلسلے جاری بھی ہیں اور سب سلسلوں کی برکات بھی بحمداللہ ہمارے سامنے ہیں۔ جن علمائے کرام نے اپنی باطنی اصلاح کے لئے بزرگوں سے باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے وہ جہاں گئے بحمداللہ ان سے روشنی پھیلی ہے کسی سے کم کسی سے زیادہ، اللہ تعالیٰ نے ان سب سلسلوں میں برکت رکھی ہے خواہ وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ ہو یا شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یا حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یا قدیم و مشہور چار سلسلوں نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ میں سے کوئی سلسلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب سلسلوں میں برکت رکھی ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ شیطان کچھ ایسا مشغول ہے کہ لگتا ہے کہ دوسرے کاموں سے فارغ ہوگیا ہے اور ہمارے ہر اچھے کام کو خراب کرنے کی کوشش میں مصروف ہے اب ہمارے یہاں آپس میں سلسلوں کا بھی تعصب چلنے لگا ہے۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے میں اسلام آباد گیا تھا وہاں حضرت تھانویؒ کے سلسلے کے کچھ بزرگ جمع تھے، انہی میں نواب قیصر صاحب (جو حضرت فقیر محمد صاحبؒ پشاوری، ''خلیفہ حضرت تھانویؒ'' کے خلیفہ مجاز ہیں) بھی تھے حضرت والد صاحبؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بھی دیرینہ قریبی تعلق تھا الحمدللہ اسلام آباد میں ان کا فیض پھیل رہا ہے، خیر انھوں نے مجھے دعوت دی اور کچھ دوسرے حضرات کو بھی جمع کیا تو وہاں موجود ایک صاحب نے مجھ سے کچھ حضرات کا تعارف کروایا کہ یہ بھی ہمارے سلسلہ کے ہیں، یہ بھی، اور وہ بھی، اور فلاں صاحب ہمارے سلسلہ کے نہیں، تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگا اور میں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ایک سلسلے سے آپ میں محبت کچھ زیادہ ہو لیکن اس کی وجہ سے دوسرے سلسلہ والوں کو اجنبی سمجھنا ہمارے بزرگوں کا طریقہ نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک تو ہر سلسلے کا آدمی اپنا ہوتا تھا۔

حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کا آپس میں تعلق

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے اور ان کا بڑا فیض پھیلا نقشبندی کے سلسلے کے بزرگ تھے، جب کبھی وہ کراچی تشریف لاتے تو ان میں اور حضرت والد صاحب میں مسابقت رہتی یاوہ دار العلوم پہلے پہنچ جاتے یا حضرت والد صاحبؒ پہل فرما کر تشریف لے جاتے اور ہمیں بھی ساتھ لیجاتے اور فرماتے کہ فلاں بڑے بزرگ آرہے ہیں ان کے پاس جانا ہے حالانکہ ان دونوں بزرگوں کا سلسلہء طریقت الگ تھا۔ سیدی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ بھی ان کا ایسا ہی محبت وعقیدت کا تعلق تھا۔ دونوں کی کوشش یہ ہوتی کہ ملاقات کے لئے جانے میں خود پہل کریں۔

حضرت والد صاحبؒ جب مدینہ منورہ حاضر ہوتے وہاں بھی ان دونوں بزرگوں میں مسابقت رہتی اور اکثر وہ مدینہ منورہ میں حضرت والد صاحبؒ کی دعوت بھی فرماتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد جب ناچیز مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اتنا اکرام فرمایا کہ سب کو ہٹا کر مجھے قریب میں بٹھایا اور خود دوزانو ہوکر بیٹھ گئے، میں تو پانی پانی ہوگیا۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ حضرات آخرت کے حریص تھے، اور ہر ایک دوسرے کو اپنے سے بہت آگے سمجھتا تھا، دل وجان سے چاہتا تھا کہ دوسرے سے جتنا ممکن ہو دین کا فائدہ حاصل کرلے، سیدی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کا ملفوظ سنایا کرتے تھے کہ ''میں جب آپ (حضرت ڈاکٹر صاحبؒ) اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو دیکھتا ہوں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرے شیخ کے وسیلے سے ان حضرات سے مجھے فیض پہنچا، چونکہ فیض شیخ سے پہنچتا ہے اس

لئے اپنے شیخ کے واسطے سے دعا کرتا ہوں۔'' بہر حال ہمارے بزرگوں میں یہ بات نہ تھی کہ یہ اپنے سلسلے کا ہے اور وہ غیر کے سلسلے کا وہ ہر سلسلے کے بزرگ کو اپنا ہی بزرگ سمجھتے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ کی اصلاحی تعلق کے بارے میں تاکید

حضرت والد صاحبؒ بار بار تاکید فرماتے تھے کہ جس اہمیت سے درس نظامی کو پڑھا ہے اسی طرح کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق بھی ہونا چاہیے۔ جب حضرت والد صاحبؒ کے پاس کوئی بیعت کے لئے آتا تو "قَصدُ السَّبِیل" "حیاۃ المسلمین" اور "تعلیم الدین" کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے یہ تینوں کتابیں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ہیں۔ قصد السبیل میں تصوف سے متعلق تمام ضروری تفصیلات ہیں کہ تصوف وطریقت کا مقصد کیا ہے؟ غرض وغایت کیا ہے اور شیخ کا انتخاب کس طریقے سے کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والد صاحبؒ سے بیعت کی درخواست

الحمدللہ، ہم بھائیوں کو حضرت والد صاحبؒ سے بڑی گہری عقیدت تھی، چنانچہ ہم سب بھائیوں نے الگ الگ بار بار حضرت سے بیعت کی درخواست کی، لیکن وہ ہمیشہ دوسرے بزرگوں کا حوالہ دیتے کہ اُن سے بیعت کا تعلق قائم کرو، مثلاً حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کا مشورہ دیتے۔ ان کی وفات کے بعد سیدی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا مشورہ تاکید سے دیتے تھے۔

ہم نے عرض کیا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے جو شرائط بیعت کی لکھی ہیں، وہ تو ہم آپ میں سب سے زیادہ پاتے ہیں کیونکہ شرائط میں ایک یہ

بھی ہے کہ جس بزرگ سے گہری عقیدت ہو اور طبعی مناسبت بھی ہو اُس سے بیعت کرنی چاہیے مگر حضرت والد صاحبؒ نے درخواست قبول نہ فرمائی۔

۱۹۶۶ء میں ناچیز جنوبی افریقہ کے سفر میں، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ تھا ایک رات تقریباً بارہ بجے سخت سردی کے کے زمانے میں بالکل تنہائی تھی، میں نے پھر بیعت کی درخواست کی۔ اس سے پہلے کبھی درخواست قبول نہ کرنے کی وجہ بیان نہ فرمائی تھی آج وجہ بھی ارشاد فرمادی۔ فرمایا کہ دیکھو! ایسا بھی ہوا ہے کہ بیٹا باپ سے بیعت ہوا اور فائدہ بھی ہوا لیکن باپ بیٹے میں بے تکلفی کا تعلق ہوتا ہے اس راہ میں ابتداءً بے تکلفی مضر ہوتی ہے اِلّا یہ کہ تم بھی پوری احتیاط کرو اور میں بھی پوری احتیاط کروں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم بھی احتیاط نہ کرسکو گے اور مجھ سے بھی احتیاط نہ ہوسکے گی، اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت ہوجاؤ وہ میری وجہ سے تمہارا خاص خیال فرمائیں گے جس سے انشاء اللہ تمہیں فائدہ ہوگا اور نیز حضرت ڈاکٹر صاحب چونکہ باضابطہ فارغ التحصیل عالم دین نہیں، تو ایسے بزرگ سے بیعت ہونے میں ایک مزید فائدہ یہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ علم کا کوئی خناس تمہارے دماغ میں ہے تو وہ نکل جائے گا، اور یہ فائدہ کسی فارغ التحصیل عالم سے بیعت ہونے میں نہ ہوگا، اور فرمایا کہ ڈاکٹر صاحبؒ باضابطہ عالم تو نہیں مگر عالم گر ہیں، جیسے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سند یافتہ عالم تو نہیں تھے مگر حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ جیسے حضرات اکابر علماء امت بھی ان کی خدمت میں جاکر رہے اور کامیاب ہوئے درحقیقت ان تینوں بزرگوں کے علم میں چار چاند لگنا بھی حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی تربیت کا فیض تھا۔ حضرت والد صاحبؒ کے اس تفصیلی ارشاد کے بعد الحمدللہ ہم دونوں بھائی سیدی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت ہوگئے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ایک اہم نصیحت

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، جب بھی کراچی تشریف لاتے تو ملنے والوں کا بڑا ہجوم رہتا تھا لیکن انہوں نے خدام سے کہہ رکھا تھا کہ میرا ایک وقت دار العلوم کے لئے ضرور فارغ رکھا جائے۔ ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا کہ خلوت میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں چنانچہ سب کو رخصت کردیا گیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ گفتگو فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخؒ بہت اہم بات فرما گئے ہیں کہ مدرسوں میں ذکر و شغل کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اور مدرسوں میں جگہ جگہ فتنے ابھر رہے ہیں، گروپ بندیاں ہورہی ہیں، اس لئے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ جس طرح آپ طلباء کو یہاں رکھتے ہیں اسی طرح وہ حضرات جن کا آپ سے اصلاحی تعلق ہو، ان کو بھی یہاں رکھیں اور ان کے کھانے وغیرہ کا بھی انتظام ہو تا کہ ذکر و شغل کا اہتمام رہے، اور چاہے مختصر سے وقت کے لئے ہو مگر طلباء اور اساتذہ کو ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے بعد سے حضرت والد صاحبؒ نے ختم خواجگان کا سلسلہ جاری فرمایا جو الحمدللہ آج تک جاری ہے۔ پھر حضرت شیخ کے جتنے بھی خط آئے، مجھے یاد نہیں کہ ان میں سے کوئی خط اس تاکید سے خالی ہو۔

اور جب حضرت شیخ کو اطلاع ملی کہ ہم دونوں بھائیوں کا تعلق سیدی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ عارفی سے ہوگیا ہے تو مدینہ طیبہ سے کھجوریں بھیجیں اور خط لکھا، جس میں ہمیں مبارک باد دی کہ آپ ڈاکٹر صاحب سے متعلق ہوگئے ہیں۔ اس موقع کو غنیمت جانیں، اور اُدھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو

خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے آپ سے متعلق ہو گئے ہیں، آپ ان دونوں پر خصوصی توجہ فرمائیے۔

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے حضرت شیخ کے کئی خطوط دکھلائے جن میں ہمارے متعلق لکھا تھا کہ آپ ان پر خصوصی توجہ فرمائیں اور ایک خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے ان صاحبزادوں پر کبر کا ڈر ہے۔ اس پر خصوصی توجہ فرمائیں۔

یاد رکھیں! صاحبزادگی جہاں ایک نعمت ہے تو وہاں ایک آزمائش بھی ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فکر مند تھے۔

میرے شیخ کا تقاریر بند کروانا اور اس کی تعمیل کا فائدہ

ایک مرتبہ میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ عارفی نے مجھ سے اور برادر عزیز القدر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے فرمایا کہ بھئی! آپ جلسوں میں تقریر نہ کیا کریں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں تو نہ آئی لیکن الحمدللہ ہم نے حضرت والد صاحبؒ کے بنائے ہوئے ذہن کے مطابق ان کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تقریر چھوڑ دی کیونکہ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اس طرح رہنا کہ

''کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغَسَّال''

جیسے مردہ ہوتا ہے غسل دینے والے کے ہاتھ میں

اسی طرح ریڈیو پر میرا بیان ہوتا تھا جب اس کا وقت آیا تو حضرت سے پوچھا کہ اس کا کیا کیا جائے؟ اس پر فرمایا ''بھئی! آپ وہ بھی چھوڑ دیں۔''

غالباً یہ ممانعت اس وقت فرمائی تھی جب کراچی میں ایک بڑی کانفرنس ہوئی جس کا اعلان اشتہارات کے ذریعے مہینوں پہلے سے ہو رہا تھا اور اس میں

بڑے بڑے حروف سے میرے نام کا بھی اشتہار تھا۔ یہ کانفرنس حضرت ہی کے محلے ''پاپوش نگر'' میں تھی وہاں پوسٹر منتظمین کانفرنس نے کچھ زیادہ ہی لگا رکھے تھے، بظاہر حضرت کی نظر بھی پڑی ہوگی۔ تاہم جمعہ وعیدین کے اجتماعات سے خطاب کی اجازت باقی رہی۔

ایک مرتبہ اخبار'' جنگ'' والے شائع کرنے کی نیت سے میرا ایک مضمون لے گئے، جب وہ شائع ہوا اور حضرت کو علم ہوا تو فرمایا بھئی! اخبارات میں بھی مضمون نہ دیا کریں'' بحمداللہ ناچیز نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔

لیکن ایک طرف لوگوں کا بیان کے لئے اصرار اور دوسری طرف حضرت کی ممانعت، لوگ کسی طرح چھوڑتے نہ تھے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ لوگ حد سے زیادہ اصرار کرتے ہیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ میرا نام لے دیا کریں، کہہ دیا کریں کہ اُس نے منع کردیا ہے، زیادہ ہی اصرار کریں تو آپ کہہ دیا کریں کہ اُس سے بات کرو۔ اس نسخے پر عمل کرنے سے بحمدللہ آسانی ہوگئی۔ اور دس سال تک یہ پابندی رہی۔ حضرت فرماتے تھے کہ ابھی آپ کو بلوغ نہیں ہوا، مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ کہیں شہرت کا شوق نہ ہو جائے۔ اور آپ کی ساری محنت اکارت چلی جائے۔ حقیقتاً وہ پہلا دن تھا کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ شہرت کا شوق بھی کوئی گناہ ہے حالانکہ اس سے پہلے حدیثیں بھی پڑھ رکھی تھیں مگر اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔

ایک مرتبہ فرمایا مولوی رفیع! آپ دار العلوم کے انتظامات کو مضبوطی سے سنبھالیں، آپ کے والد صاحبؒ نے یہ بھاری امانت جو آپ کے سپرد کی ہے ، اس میں خلل نہ آنے دیں،اور باہر کے دوسرے مشاغل کو کم سے کم کردیجئے ،دارالعلوم کی چاردیواری حصن حصین ہے اسے قوت سے تھامے رہئے، اس پابندی کے لگنے سے بحمدللہ ہمیں بڑا فائدہ ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ اس پابندی میں نرمی فرمانے لگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرتؒ کے ایک مجاز بیعت شیخ الحدیث

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہ نے فیصل آباد سے اپنے مدرسے کے جلسے میں شرکت کی دعوت دی، میں نے کہا آپ کو تو معلوم ہے کہ حضرت نے منع کر رکھا ہے، انہوں نے فرمایا میں حضرت سے بات کرلوں گا۔ چنانچہ ناچیز مجلس میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی رفیع! فیصل آباد چلے جایئے مولانا نذیر احمد صاحب ہمارے خاص آدمی ہیں، ان کی دعوت قبول کرلی جائے۔ سفر سے پہلے دو رکعت پڑھ لینا، ان میں فلاں فلاں سورتیں پڑھنا پھر یہ دعا پڑھ لینا اور بیان سے پہلے یہ دعا کرلینا، غرض ایک ایک بات بتلائی اور فرمایا کہ فرمائشی تقریر نہ کرنا، رسمی تقریر نہ کرنا، مرہم وہاں لگاؤ جہاں زخم ہے۔ غرض پابندی کا راز وہی تھا کہ شہرت کا شوق نہ ہوجائے کیونکہ حدیث میں ہے۔

”مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مُذِلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ“

”جس شخص نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے۔“

اور الحمدللہ حضرت کا فیض ہے کہ جب کبھی شہرت کا موقع آتا ہے تو ڈر لگتا ہے کیونکہ اس سے نفس کو لذت بھی ملتی ہے یہ نفس ابھی مرا نہیں ہے۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے اب بحمداللہ اس لذت پر خوف غالب آتا جارہا ہے لیکن شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عجیب اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ اب ہماری ذمہ داری اُن پر ہے، اور ہماری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہیں اور ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر اہتمام سے عمل کرتے رہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تربیت

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے، کبھی بھی ہمیں تصوف کی

اصطلاحات میں نہیں الجھایا۔ ایک مرتبہ میں نے پوچھا حضرت! ’’وَحدۃُ الوُجُود‘‘ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، تو فرمایا کہ ہاں! سمجھا دیں گے لیکن کبھی الفاظ میں نہیں سمجھایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کسی ناواقف کو راستے پر چلانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ رہنما اس کا ہاتھ پکڑ کر راستے کی ساری چیزیں اور ساری علامات دکھاتا اور بتاتا ہوا لے جائے کہ یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں نشانی ہے، جبکہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ گاڑی میں بٹھا کر کھڑکیاں بند کردیں اور منزل تک پہنچا دیا، تو ظاہر ہے کہ یہی طریقہ راستہ طے کرانے کا زیادہ آسان ہے۔

پھر ایک واقعہ سنایا کہ ہم مسوری گئے تھے جو کہ ہندوستان کا مشہور ہل اسٹیشن ہے، اور بڑی خوبصورت جگہ ہے۔ ہمارے میزبان دوست ہمیں پہاڑی راستوں پر لے گئے ایک جگہ پر احتیاط کی سخت ضرورت تھی ورنہ گہری کھائی میں گرجانے کا شدید خطرہ تھا جب وہ جگہ آنے والی تھی تو انہوں نے بتایا، واقعی بہت خطرناک تھی، خیر ہم نے بڑی احتیاط سے اُسے پار کیا، جب واپسی ہوئی تو اندھیرا ہوچکا تھا، کچھ دور چل کر ہم نے کہا جب وہ جگہ آئے تو ہمیں پہلے سے بتادیجئے، وہ بولے ’’وہ جگہ تو گذر بھی گئی، اس سے ہمیں احساس ہوا کہ بعض مرتبہ شیخ اس طرح سلوک طے کرواتا ہے، اور خطرناک گھاٹیوں سے اس طرح گذار دیتا ہے کہ سالک کو خطرے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہمارے شیخ نے ہمیں اصطلاحوں میں نہیں الجھایا، نہ مجاہدے کروائے اور نہ مراقبے، بس سیدھی سادی دین کی باتیں فرماتے اور بزرگوں کے واقعات وملفوظات سناتے۔ اگرچہ ہم تو کچھ حاصل نہ کرسکے مگر حضرت اپنا کام کرتے رہے، تو بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت فرماتے تھے کہ آپ کو ابھی بلوغ نہیں ہوا، جب بلوغ ہوگا تو اللہ کے دین کی بات پہنچانے کا وہ داعیہ دل میں پیدا ہوگا کہ کسی کے روکنے سے رک نہیں سکوگے۔ بہرحال حضرت نے آخر میں مدرسوں میں خطاب کرنے کی اجازت دیدی مگر عام جلسوں میں وعظ کی ممانعت پھر بھی تھی۔ حضرت کی وفات

کے بعد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ سے اصلاحی تعلق ہوا تو ناچیز نے حضرت والا کو اس ممانعت کی بھی اطلاع دی، اس پر حضرت مسیح الامتؒ نے فرمایا کہ اب دینی اجتماع میں چلے جایا کرو البتہ فرقہ وارانہ اور سیاسی جلسوں سے احتراز رکھو۔

ان بزرگوں کی خاص نظر ہوتی ہے جو انسان کے اندر تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اکابر جیسا اخلاص وتقوی اور اُن جیسا باہمی تعلق پیدا فرمادے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مغربی دُنیا میں دینی رُجحان

موضوع : مغربی دنیا میں دینی رُجحان

تقریر : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد ناظم اشرف

مغربی دنیا میں دینی رجحان

بعد از خطبہ مسنونہ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ

﴿ قُلْ سِيْرُوا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾

(سورہ الروم آیت نمبر ۴۲)

بزرگان دین اور برادران عزیز! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
میرا طویل غیر ملکی سفر پر جانا ہوا جو کہ آٹھ ملکوں پر مشتمل تھا۔ قرآن حکیم میں بھی یہ ہدایت کی گئی ہے۔
"اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا۔"

مختلف لوگوں کے سامنے سفر کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں چنانچہ مجاہدین جہاد کے لیے، مبلغین تبلیغ کے لیے، علم حاصل کرنے والے تعلیم حاصل کرنے کے لیے، تاجر تجارت کے لیے، ملازمت پیشہ لوگ ملازمت اور جاب حاصل کرنے کے لیے، سیاح معلومات حاصل کرنے کے لیے اور تفریح کرنے والے تفریح کے لیے سفر کرتے ہیں اور۔ اگر سفر شرعی حدود میں ہوں جیسا کہ ان مذکورہ بالا میں سے بعض ہیں تو وہ جائز بھی ہیں اور باعث ثواب بھی ہیں' چنانچہ اگر طلب علم کے لیے سفر کیا جائے تو اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ من سلك طريقا يلتمس فيه علماسهل الله له طريقاً الى الجنة ﴾ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

''جو شخص کسی راستے پر اس لیے چلتا ہے کہ وہ علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔''

اسی طرح سفر جہاد کے بارے میں قرآن حکیم میں جابجا عظیم الشان فضائل بیان کیے گئے ہیں، اور اسی طرح تبلیغ کے سفر کے لیے عظیم الشان فضائل وارد ہیں' نیز تجارت، ملازمت، سیاحت اور تفریح کے لیے اگر وہ شرعی حدود میں ہو تو اجازتِ سفر موجود ہے۔ اور ہمارے سفر عام طور سے تبلیغی سلسلے کے ہوتے ہیں اور جہاں دوسرے ممالک میں جو علمی اور دینی اداروں میں کام ہو رہے ہیں وہ ادارے مشوروں کے لیے بطور خاص بلاتے ہیں اور بہت سے فقہی مسائل میں وہاں کے علماء کا کچھ اختلاف رائے ہوتا ہے تو بھی مشورے کے لیے

بلاتے ہیں۔اس طرح ہمارا یہ سفر ایک حیثیت سے تعلیمی بھی تھااور ایک حیثیت سے تبلیغی بھی تھااور اگر انسان عبرت کی نگاہ سے دیکھے تو ہر سفر میں اسے کچھ چیزیں عبرت اور سبق آموز ملتی ہیں، چنانچہ اس سفر میں بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو شامل کرلوں اور اس سفر میں جو عبرت آموز باتیں سامنے آئیں، انھیں بیان کردوں۔بنیادی طور پر تو ہمارا سفر برطانیہ اور فرانس کا تھااور باقی ممالک کے سفر اللہ نے ضمناً کروادیئے۔

برطانیہ ایک مغربی ملک

پہلے میں آپ کے سامنے برطانیہ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرتا ہوں کہ یہ وہی برطانیہ ہے جہاں سے عالم اسلام کے خلاف سب سے زیادہ فوجی اور سیاسی کاروائیاں ہوتی ہیں اور اسلام کے خلاف سب سے زیادہ پروپگنڈہ اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ یہیں سے ہوتا ہے۔ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے اگر کوئی مسلمان برطانیہ جاتا تھاتو اس کے لیے وضو کرنااور نماز پڑھنا بہت مشکل مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت وہاں نہ مسلمانوں کی کوئی قابل ذکر تعداد تھی اور نہ مسجدیں۔

اُس زمانے میں متحدہ ہندوستان سے جو لوگ تعلیم کی غرض سے جاتے تھے وہ عام طور سے ان ہی کے رنگ میں رنگ کر واپس آتے تھے کیونکہ وہاں کوئی دینی ماحول ہی نہیں تھا۔چنانچہ اگر ایک شخص یہاں نمازی تھاتو وہاں جاکر اس کی نمازیں چھوٹ جاتی تھیں اور حلال و حرام کی تمیز کم ہو جاتی تھی، حتی کہ گوشت بھی حلال جانور کا نہیں ملتا تھا۔ متقی طلبہ وہاں سے بڑی تنگی سے وقت گذار

کر واپس آتے تھے، اور جن لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوتی تھی وہ وہاں بہت سی خرافات میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ لیکن اللہ رب العلمین کی قدرت کاملہ کے عجائب اور دین کے معاملے میں کی جانے والی محنتوں اور کوششوں کے ثمرات دیکھیے کہ وہی انگلستان جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور اسلام دشمنی کی سب سے بڑی مرکزی طاقت تھی اگر آج وہاں جاکر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی اسلامی ملک میں آگئے ہیں جہاں مساجد کی فراوانی ہے۔ چنانچہ ایک ہزار کے قریب مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور مزید سلسلہ جاری ہے۔ مساجد نمازیوں سے آباد اور لبالب بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ان مساجد میں معمر لوگ ہوتے ہیں بلکہ نوجوانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔ نیز مدارس جگہ جگہ قائم ہو رہے ہیں اور تقریباً ہر مسجد میں قرآن کریم کا ایک مکتب ہے جہاں ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم باقاعدہ تجوید کے ساتھ ہو رہی ہے۔ جس مسجد میں چلے جائیں وہاں کا امام قرآن کو تجوید سے پڑھتا ہے، نیز درس نظامی کے لیے بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں چنانچہ تین دارالعلوم تو خود میں نے بھی دیکھے' اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے مدارس قائم ہو چکے ہیں۔

آج کل برطانیہ کی مسلم حالت

اب سے بیس یا پچیس سال پہلے مشہور شہر لندن میں کوئی خاتون برقعہ پہن کر باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اگر وہ برقعہ پہن کر باہر نکلتی تو تماشا بن جاتی تھی اور ساری دنیا حیران ہوتی تھی کہ یہ کیا چیز نکل

آئی ؟ لیکن آج الحمد للہ مسلم خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد برقعہ پہنے ہوئے ہر شہر اور ہر بازار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بعض محلوں میں جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا علاقہ ہی مسلمانوں کا ہے جہاں کی مساجد میں اذانوں کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ لندن کے بازاروں میں جابجا "اللحم الحلال" یعنی حلال گوشت کے بورڈ لگے ہوئے ہیں اور الحمد للہ اب وہاں حلال گوشت کا زیادہ مسئلہ نہیں رہا، کیونکہ وہاں مسلمانوں نے اپنے لیے حلال گوشت کا خود انتظام کیا اور خود مذبح قائم کیے، خود ہی اپنی دکانیں قائم کیں اور اپنے ہوٹل اور ریسٹورانٹ بنائے۔ یہ ایک انقلاب ہے جو پندرہ بیس سال کے مختصر سے عرصے میں بہت ہی تیزی سے آیا ہے اور الحمد للہ آج وہاں علماء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تمام مساجد اور تمام مدارس میں عہدوں پر فائز ہونے کے بعد بھی سینکڑوں علماء فارغ ہیں جن کو وہاں علمی میدان میں کام کرنے کا موقع نہیں مل رہا۔ چنانچہ انھوں نے تجارت وغیرہ شروع کردی ہے یا کوئی اور کام شروع کردیا ہے۔ چنانچہ کچھ پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور کچھ یونیورسٹیوں میں جارہے ہیں تاکہ انھیں اس میدان میں بھی کام کرنے کا موقع ملے۔

مغربی ممالک میں اسلامی لہر

ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم توڑے جارہے ہیں جن کی بناء پر مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار ہیں، ان کو دیکھ دیکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ اسلام پر ہر طرف سے دباؤ ہے اور اسلام دشمن

طاقتیں غالب آتی جارہی ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ پروردگار نے اسلام کی سربلندی کے لیے نیچے سے ایک اور لہر جاری کر رکھی ہے جس کے بارے میں اوپر اوپر سے نظر یہ آرہا ہے کہ اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں ہو رہی ہیں۔ لیکن اللہ رب العالمین کی کرشمہ سازی ہے کہ نیچے ایک اور اسلامی لہر مخالف سمت میں چل رہی ہے۔ اور جہاں سے یہ مخالفتیں اٹھ رہی تھیں وہیں یہ اسلام پھیل رہا ہے۔ یہ رب العالمین کا ایک نظام ہے جس سے وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ کتنے بھی ناگفتہ بہ حالات ہوں اور کتنے ہی مایوس کن حالات ہوں، تم دین اور اللہ کے راستے میں محنت اور کوشش سے مایوس نہ ہو بلکہ اپنا کام کرتے رہو، تمھاری محنتیں رنگ لائیں گی اور کوششیں اپنا اثر دکھائیں گی۔ بظاہر تمھیں اپنی کوششیں بیکار نظر آئیں گی لیکن ان کوششوں کو بار آور کرنا تمھارا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے۔

اللہ کی راہ میں کی ہوئی محنت کا ثمرہ

چنانچہ آج وہی انگلستان اسلام کا ایک مرکز ثانوی نظر آرہا ہے جہاں علمی، دینی اور تحقیقی ادارے قائم ہو رہے ہیں، مفتیان کرام مسائل کی تحقیق میں کتابیں لکھ رہے ہیں، فقہی مسائل پر ریسرچ ہو رہی ہے، بہت سارے مسلمان سیاسی میدان میں انتخابات میں عیسائیوں اور یہودیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے انتخابات میں ایک مسلمان کامیاب ہو کر پارلیمنٹ میں پہنچ گیا ہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ایک پاکستانی مسلمان باقاعدہ ایک رکن بن چکا ہے۔

ہمارے پاکستانی مدارس میں آپ کو درجنوں انگلستانی طلبہ ملیں گے جو کہ بڑے بڑے مالداروں کے بیٹے ہیں اور ان کے والدین نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ کر اپنے بچوں کو یہاں عالم دین بننے کے لیے بھیجا ہے اور وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہمارے انھی مدارس سے فارغ التحصیل علماء کی ایک جماعت وہاں جا کر اپنا کام سنبھال چکی ہے اور اپنا کام کر رہی ہے، جس میں تصنیف و تالیف اور مدارس میں پڑھانا وغیرہ سب ہی کچھ شامل ہے۔ یاد رکھیں! اللہ کے راستے میں کی ہوئی کوئی محنت کبھی بھی بیکار نہیں جاتی، اور جب وہ محنت اخلاص کے ساتھ اور شرعی قاعدے کے مطابق ہو تو آخرت کا ثواب تو یقینی ہے اگرچہ دنیوی فوائد ظاہر نہ ہوں، نیز ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہو جائے گی اور اس محنت سے دین اور مسلمان دونوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

برطانیہ میں انقلابِ عظیم کی وجوہات

حقیقت یہ ہے کہ آج سے تیس سال پہلے جس شخص نے انگلستان کو دیکھا ہو، وہ اب اس کو دیکھ کر یہ محسوس کرے گا کہ یہ وہ انگلستان نہیں ہے جو آج سے تیس سال قبل تھا۔ مساجد میں اکثر نمازی پوری پوری داڑھی والے اور اپنے پاکستانی لباس میں ملبوس ہیں اور انھوں نے عمامے باندھ رکھے ہیں۔ اب ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر یہ انقلابِ عظیم کیسے آیا؟ یاد رکھیں! کہ اس انقلاب کے آنے میں دو باتوں کا بڑا دخل ہے۔

۱۔ تبلیغ　　　۲۔ دینی مدارس

اگرچہ وہاں سعودی عرب کے بھی بہت سے اداروں نے کام کیا ہے اور مختلف مسلم ممالک نے بھی کچھ جزوی کام کیے ہیں لیکن حقیقتاً یہی دو چیزیں اس انقلاب کے آنے میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ کے کام میں ہمیشہ نصرت ہوتی ہے

شروع شروع میں جب وہاں کچھ تبلیغی جماعتیں اور کچھ علماء گئے تو ان کی تقریروں اور مواعظ سے کچھ ذہن بنے، تبلیغی جماعتوں نے ایک سے دوسرے شہر میں پیدل گشت کیا اور وہ بھی اس حال میں کہ وہاں ان کے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی کسی کنبہ کے لوگ پناہ دے دیتے یا کبھی کوئی شخص اپنے گھر کے کسی حصے میں رات گذارنے کی اجازت دیدیتا تھا، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ سخت برفباری میں جب کوئی ٹھکانہ نہ ملا تو دو دو آدمی ایک ایک ٹیلی فون بوتھ میں گھس کر کھڑے ہو گئے اور اسی طرح پوری رات گذار دی، جس کی وجہ سے اب یہ کوشش اور محنتیں رنگ لا رہی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے کام شروع کرتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے نصرت بھی ہوتی ہے۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ نے جو تڑپ اور لگن عطا فرمائی تھی وہ اسی جذبہ کی بناء پر اکیلے ہی چلے تھے اور ان کے

ساتھ کوئی بھی نہیں تھا لیکن بعد میں لوگ ملتے رہے اور ایسا قافلہ بنا کہ آج پوری دنیا میں سینکڑوں قافلے ہر وقت رواں دواں ہیں، اور ہماری زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ جس میں پوری دنیا میں سینکڑوں قافلے گشت نہ کر رہے ہوں۔ اس محنت شاقہ کے اٹھانے کے بعد ان تبلیغی حضرات نے ایک سازگار فضا تیار کی، چنانچہ یہ مبلغین ایک ایک علاقے میں جاکر ان لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے اور ایمان و یقین کی باتیں کرتے ہیں، اور جب لوگوں کے دلوں میں ایمان و یقین آئے گا تو لامحالہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ اور یہ بتانا علماء دین کا کام ہے کہ ان کو اسلامی زندگی کے طور طریقے بتائیں؟ ان کو قرآن پڑھائیں، دین کی تعلیم دیں اور مسائل بتائیں چنانچہ علماء نے وہاں جاکر مدارس قائم کیے اور الحمدللہ اب تک یہ کام ہو رہا ہے۔

ایک اور مغربی ملک فرانس کی عام حالت

برطانیہ کے اس سفر سے چھ سات ماہ قبل بھی میرا برطانیہ جانا ہوا تھا جس میں سے دو دن فرانس میں بھی گذارے۔ فرانس کے حالات ہم پہلے سنتے اور معلوم کرتے رہتے تھے کہ وہاں دینی حالات ہیں، چنانچہ وہاں جاکر دیکھا تو وہاں کے حالات اور بھی زیادہ امید افزاء ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہے، نیز مساجد بھی برطانیہ سے زائد ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ وہاں اتنی تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ روزانہ سولہ آدمی اوسطاً مشرف باسلام ہو رہے ہیں۔

مغربی ممالک میں خفیہ طور سے اسلام

پیرس فرانس کے ایک شہر میں جہاں ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ جو کہ ہمارے حضرت والد صاحبؒ کے یہاں پاکستان میں شریک کار بھی رہ چکے تھے، پوری دنیا کے مایہ ناز اسلامی سکالر تھے، بہت بڑے محقق اور یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے اور ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے اور ہزارہا لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، ان کا کہنا تھا کہ فرانس میں اس وقت ایک بڑی تعداد کروڑ پتی اور ارب پتی، تاجروں، سیاسی لیڈروں اور ماہرین تعلیمات کی ایسی ہے کہ جو میرے ہاتھ پر خفیہ طور پر مشرف باسلام ہو چکی ہے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرتے۔

برطانیہ اور فرانس میں یہی کچھ ہو رہا ہے کہ عیسائی چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان انھیں خرید خرید کر مساجد اور مدارس بنا رہے ہیں، چنانچہ بہت سی ایسی مساجد میں ہم نے خود نماز پڑھی جو کسی وقت چرچ تھے۔

مغربی ممالک میں خودکشی کے واقعات

سری لنکا سے ایک صاحب ہمارے دار العلوم میں قرآن حفظ کرنے کے لیے آئے تھے، جب وہ حفظ کر چکے تو وہ پیرس میں مقیم ہو گئے اور اعلیٰ ترین امتحانات میں اعلیٰ ترین کامیابیاں اپنی ذہانت کی وجہ سے حاصل کیں اور اب وہاں تجارت کر رہے ہیں اور تبلیغ میں بھی سرگرم ہیں، چند سال پہلے ان کے

ساتھ ایک ترکی مسلمان آئے تھے، انھوں نے بتایا کہ غیر مسلموں میں خودکشی کے واقعات بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور بتایا کہ فرانس میں ٹی وی کی سرکاری نشریات میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۹۹۱ء میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کا اوسط ہر پانچ منٹ کے بعد ایک خودکشی ہے۔ اب جب میں وہاں گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ پچھلے سال تمھارے فرانس میں کیا حال رہا؟ تو وہ کہنے لگے کہ پچھلے سال ۱۹۹۶ء میں ٹی وی نے سرکاری طور پر اس کے جو اعداد و شمار نشر کیے ہیں وہ یہ ہے کہ ستر ہزار خودکشیاں تو وہ ہیں جس میں خودکشی کرنے والے کامیاب ہو گئے اور بیس ہزار ایسے ہیں جنھوں نے خودکشی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ وہ پکڑ لیے گئے، جبکہ سترہ ہزار کی تعداد اس خودکشی کے علاوہ ہے جو لوگوں نے ایکسیڈنٹ کے ذریعے کی ہے کیونکہ اس میں یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کس نے خودکشی کی ہے؟ اور کس کا واقعی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کو بے روزگاری نے ستا رکھا ہے یا کوئی مالی پریشانی یا فقر و افلاس ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہاں کے لوگوں کی مالی حالت تو بہت اچھی ہے لیکن بہت زیادہ تحقیق کے بعد اسکی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں بے چینی ہے۔ لیکن اب یہی بے چینی چین کی تلاش میں اسلام کی طرف آ رہی ہے۔ وہاں کے مفکرین کہتے ہیں کہ اگر اپنی عمر بڑھانا چاہتے ہو اور صحت اور خوشی چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی مذہب تھام لو۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اب مذہب کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کون سا مذہب اختیار کیا جائے؟ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام کو روشناس کرائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا عملی نمونہ لوگوں کو دکھائیں جس سے وہ لوگ کھنچ کھنچ

کر اسلام کے پاس آئیں گے۔

اسلام کیونکر پھیلا ؟

اس کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں تیزی سے اسلام کا پھیلنا ہے چنانچہ اس زمانے میں جو دو سپر طاقتوں قیصر و کسریٰ کا خاتمہ کیا گیا اور اسلام سپر طاقت بنا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت میں مسلمان فوجیں جہاں پہنچتی تھیں ان کے عملی نمونے کو دیکھ کر فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ جس سے اسلام پھیلتا رہا۔ بہت سے صحابہؓ دوسرے شہروں میں تجارت کی غرض سے جاتے تھے تو وہاں کے لوگ ان کی تجارت کے طریقے ہی کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔

پورا مغربی پریس اسلام کے خلاف مصروف کار ہے

آج کل پورا مغربی پریس اور ان کا الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں اپنی بھرپور طاقت لگا رکھی ہے، اور اس پروپیگنڈے میں دو باتیں بنیادی طور سے شامل ہوتی ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے یہاں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اور ان کو گھر کی چار دیواری میں قید کر کے ان کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے، اور دوسری بات یہ کہ مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں۔ جہاد سے تو ویسے بھی یہ لوگ ہمیشہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ اور عورتوں کی تعداد پوری دنیا میں کم از کم نصف ہے تو ان کی کوشش

یہ ہے کہ عورت کو اسلام کے خلاف کر دیں کیونکہ عورت ہی وہ ذات ہے جس کی گود میں قومیں بنتی ہیں، اس لیے اگر ہم نے عورت کو اسلام کے خلاف کر دیا تو اسلام کا راستہ خود بخود رک جائے گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار عالم اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا رہا ہے کہ جن مراکز میں پروپیگنڈے کا طوفان برپا ہے ان کی اپنی عورتیں مسلمان ہو رہی ہیں اور وہ عورتیں اپنے اسلام لانے کی وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے آس پاس میں مسلمان عورتوں کو جو محبت، شفقت اور عظمت ملتی ہے اس کا ہمارے یہاں تصور بھی نہیں ہے۔ ہم خواہ کتنے بھی گئے گذرے ہوں لیکن الحمدللہ اب بھی اتنی بات ہے کہ ہم لوگ اپنی ماں کی عزت کرتے ہیں اور اتنا جانتے ہیں کہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے، اور بچپن ہی سے ہمیں یہ سکھادیا گیا ہے کہ ماں کی عظمت، بہن کی محبت اور بیٹی کی شفقت ہمارے دل میں ہر وقت ہونی چاہیے۔

مغرب میں عورت کی آزادی

لیکن مغربی عورت ان تمام باتوں سے محروم ہے کیونکہ یا تو وہ کسی کی ماں ہی نہیں، بچے ہونے کے باوجود وہ ان کی ماں نہیں ہوتی کیونکہ وہاں شادی کا رواج ہی ختم ہوتا جا رہا ہے اور اسکول جانے کی عمر میں ہی بچے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہاں کی عورتوں کو ہم نے دربدر پھرتے دیکھا ہے، اگر وہ عورت شادی شدہ ہو تو گھر کے کام دھندے سمیت اس پر یہ ذمہ داری بھی لازم ہے کہ وہ کما کر بھی لائے، اور اس کو یہ کہہ کر دلاسا دیتے ہیں کہ ہم تجھے آزادی

دیں گے ،اورایسی آزادی دی کہ جہاں بھی آپ دیکھیں مرد آپ کو افسر
اور عورتیں ماتحت نظر آئیں گی۔ چنانچہ آپ دیکھ لیجیے کہ جہاز کا کپتان بھی عام طور
سے مرد ہوتا ہے اور اس کی ماتحتی میں لڑکیاں کام کرتی ہیں اور سینکڑوں لوگوں کی
خدمت کرتی پھرتی ہیں جبکہ اس کے برعکس اگر ہمارے یہاں عورت صرف اپنے
باپ، بھائی، بچوں اور شوہر کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لے تو اسے قید سمجھا
جاتا ہے اور سینکڑوں لوگوں کی خدمت کرنے کو آزادی سمجھا جاتا ہے، لیکن اب یہ
دھوکہ وہاں کی عورتوں پر عیاں ہو رہا ہے کہ ہمیں بیوقوف بنایا گیا ہے، اصل
آزادی تو مسلمان عورتوں کو حاصل ہے۔

غیر مسلم بھی اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں

میں کینیڈا میں جن صاحب کے یہاں مہمان تھا وہاں میں اپنے
معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز کے بعد سو جاتا تھا اور پھر اٹھ کر ناشتہ کرتا تھا۔
چونکہ اس وقت ہمارے میزبان اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے تھے۔ اس لیے وہاں کی
خواتین ٹیلی فون کے ذریعہ مجھے بتادیتی تھیں کہ کمرے میں آپ کا ناشتہ رکھدیا ہے
آپ ناشتہ کرلیں۔ ایک دن ایک چھوٹی سی خوب صورت لڑکی نے جو تین چار
سال کی ہوگی، مجھے دس بجے آ کر اٹھایا اور توتلی زبان میں انگریزی بولی جس کا
حاصل یہ تھا کہ آپکا ناشتہ تیار ہے۔ اسکے بعد جب صاحب خانہ آئے تو میں نے ان
سے پوچھا کہ وہ بڑی خوب صورت بچی کون تھی، تو وہ کہنے لگے کہ یہ ہماری
پڑوسن کی بیٹی ہے جو کہ اٹلی کی رہنے والی ہے اور اس کی اکلوتی لڑکی ہے' وہ

عورت جب صبح کو ڈیوٹی پر جاتی ہے تو اس بچی کو ہمارے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ پھر رات کو یہ واپس اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس کا باپ کہاں ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ اس کا باپ انگلینڈ میں ملازمت کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو بہت اچھا موقع ہے لہذا تم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے دین سکھاؤ۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم نے اس کو دین کا اکثر حصہ سکھا بھی دیا ہے' اب اس کی ماں بھی اس بات سے بڑی خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے تمھارا اسلام بہت اچھا لگتا ہے۔ اس لیے تم اسے اسلام سکھاؤ۔

معلوم ہوا کہ "حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے" اور ان تمام پروپیگنڈوں کے باوجود مغربی عورتیں مردوں کی بہ نسبت زیادہ اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہیں اور یہ اسلام کی حقانیت کی برکات ہیں۔

اندلس اور ترکی کا مختصر جائزہ

فرانس کے بعد ہمارا سفر اندلس کا ہوا جہاں مسلمانوں کی حکومت آٹھ سو سال رہی اور اس کے بعد پورے ملک میں کوئی مسلمان زندہ نہیں چھوڑا گیا، اور آج پانچ سو سال سے وہاں کی فضائیں اذان کی آواز کو ترستی ہیں۔ ہمیں اس پورے ملک میں چھ دن گزارنے کا موقع ملا اور وہاں کی بھی کچھ عبرت ناک یادیں اپنے ساتھ رکھ لیں۔

برطانیہ پہنچنے سے پہلے تین روز ترکی میں رہے وہاں بھی دارالعلوم کے فاضلین میں سے بہت سے موجود ہیں جن کے ساتھ مل کر ہم نے

وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ ترکی ایک ایسا ملک ہے کہ جس کے ساتھ اسلام کی عظیم الشان تاریخ وابستہ ہے کہ یہ پورے عالم اسلام کا دارالخلافہ تھا، جب پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۹ء میں خلافت ختم ہوئی تو پھر دارالخلافہ بھی بدل گیا۔
یہ باتیں غیر اختیاری طور پر آگئیں بقیہ باتیں انشاء اللہ پھر عرض کرتے رہیں گے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی صحیح سمجھ اور محبت عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی اور پورے عالم میں دین پھیلانے کی اور اس کی محنت و کوشش کرنے کی فکر عطاء فرمائے۔ آمین

﴿ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین ﴾